ملفوظات

شیخ المشائخ حضرت اقدس مولانا شاہ عبد الغنی پھولپوری صاحب رحمۃ اللہ علیہ



مرتب:

شیخ العرب والعجم عارف باللہ مجددِ زمانہ حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ



خانقاہ امدادیہ اشرفیہ
گلشن اقبال • گلستانِ جوہر کراچی پاکستان

Malfozat Harzat Phulpuri (RA) 22 Mar,2015 (Zahid)

جمعرات، ۱۷ فروری، ۲۰۲۲

ملفوظات

حضرت مولانا شاہ عبد الغنی صاحب پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ

از خلیفۂ ارشد

حضرت مجدّد الملت حکیم الاُمّت

مولانا شاہ محمد اشرف علی تھانوی صاحب نور اللہ مرقدہ

مرتبہ

شیخ العرب والعجم عارف باللہ مجدّدِ زمانہ

حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ

حسبِ ہدایت و ارشاد

حکیم الامت حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد مظہر صاحب دامت برکاتہم

بہ فیضِ صحبتِ ابرار یہ دردِ محبّت ہے
بہ اُمّیدِ نصیحت دوستو اسکی اشاعت ہے

محبّت تیرا صدقہ ہے ثمر ہیں تیرے نازوں کے
جو میں یہ نشر کرتا ہوں خزانے تیرے رازوں کے

انتساب

شیخ العرب والعجم عارف باللہ مجددِ زمانہ حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ

کے ارشاد کے مطابق حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کی جملہ تصانیف و تالیفات

شیخ المشایخ محی السنہ حضرت اقدس مولانا شاہ ابرار الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ

اور

شیخ المشایخ حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالغنی پھولپوری صاحب رحمۃ اللہ علیہ

اور

شیخ المشایخ حضرت اقدس مولانا شاہ محمد احمد صاحب پرتاب گڑھی رحمۃ اللہ علیہ

کی

صحبتوں کے فیوض و برکات کا مجموعہ ہیں

ضروری تفصیل

نام کتاب: ملفوظات حضرت مولانا شاہ عبد الغنی صاحب پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ

مرتب: عارف باللہ مجدّدِ زمانہ حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ

تاریخ اشاعت: ۲۴/ ذیقعدہ ۱۴۳۶ھ مطابق ۹/ ستمبر ۲۰۱۵ء بروز بدھ

ناشر : شعبۂ نشر و اشاعت، خانقاہ امدادیہ اشرفیہ

پوسٹ بکس:11182 رابطہ:+92.21.34972080، +92.316.7771051

ای میل:khanqah.ashrafia@gmail.com

******

قارئین و محبین سے گزارش

اس بات کی حتی الوسع کوشش کی جاتی ہے کہ شیخ العرب والعجم عارف باللہ مجدد زمانہ حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی کتابوں کی طباعت اور پروف ریڈنگ معیاری ہو۔ الحمدللہ! اس کام کی نگرانی کے لیے خانقاہ امدادیہ اشرفیہ کے شعبۂ نشر و اشاعت میں مختلف علماء اور ماہرین دینی جذبے اور لگن کے ساتھ اپنی خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ اس کے باوجود کوئی غلطی نظر آئے تو ازراہ کرم مطلع فرمائیں تاکہ آیندہ اشاعت میں درست ہو کر آپ کے لیے صدقۂ جاریہ ہو سکے۔

(مولانا) حکیم محمد اسماعیل

نبیرہ و خلیفہ مُجاز بیعت حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ

ناظم شعبۂ نشر و اشاعت، خانقاہ امدادیہ اشرفیہ

عنوانات

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

ملفوظاتِ حضرت مولانا شاہ عبد الغنی صاحب پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ

۱) ارشاد فرمایا کہ حدیث شریف میں ہے کہ زبان کو ذکر سے تر رکھنا چاہیے۔[۱] جس سے معلوم ہوا کہ اگر ذکر نہ کیا جاوے گا تو زبان میں خشکی پیدا ہو جائے گی۔ اس میں بظاہر یہ شبہ ہوتا ہے کہ ذکر کا ہر وقت جاری رکھنا عادتاً مشکل ہے۔ کیوں کہ انسان کو اپنے لیے اور اپنے بال بچوں کے لیے روزی وغیرہ دوسری حاجتوں کے لیے بولنا ضرور پڑے گا۔ خرید وفروخت، تجارت، کھیتی، نوکری بدون کلام کے ہو بھی نہیں سکتی۔ لہٰذا ذکر سے ہر وقت زبان کو تر رکھنے کی کیا صورت ہو سکتی ہے۔ اس ظاہری شبہے کا حل یہ ہے کہ بولے مگر مرضئ الٰہی کے تابع ہو کر بولے پس یہ بولنا بھی یاد میں داخل ہے۔ یاد سے مراد صرف نامِ پاک کی رٹ نہیں۔ نامِ پاک کی رٹ بھی ذکر ہے اور ان کی مرضی کے مطابق بولنا اور ان کی مرضی کے مطابق کام کرنا، ان کی مرضی کے مطابق سکوت وخاموشی بھی یاد اور ذکر ہے۔ پس ان کو بھولے نہیں، بھولنا ذکر کی ضد ہے۔ جب یاد ان کی دل میں رسوخ پکڑ لیتی ہے تو عادت ہو جاتی ہے اور یہ طبی مسئلہ ہے اَلْعَادَۃُ طَبِیْعَۃٌ ثَانِیَۃٌ عادت کے بعد تمام عضو باخبر ہو جاتے ہیں۔ کان بھی باخبر ہو جاتے ہیں، ہاتھ پاؤں بھی باخبر ہو جاتے ہیں، مثلاً پائخانہ جارہا ہے تو سنّت کے مطابق۔ بائیں پیر کو پہلے رکھے گا۔ چوں کہ مرضئ الٰہی کے مطابق قدم رکھا ہے اور جو دُعا کہ اس وقت پڑھنا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت ہے اس کو پڑھ کر داخل ہوا اور سنّت کے مطابق بیٹھا یعنی قبلہ کی طرف پیٹھ یا منہ نہیں کیا تو حکم ہوتا ہے کہ اس بندے نے میرے رسول کی سنّت کے مطابق قدم رکھا ہے، اے فرشتو! اس کا وقت غفلت میں مت لکھنا، عبادت میں لکھنا، یہ میرے حکم کی تعمیل کر رہا ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ دونوں شیطانوں کو نکال دو یعنی پیشاب اور پاخانہ کو، بس ان کا نکالنا بھی عبادت ہے۔ سبحان اللہ! اتباعِ سنّت کیسی نعمت ہے کہ بیت الخلا میں ہے زبان تو ساکت ہے مگر ذکر

---

[۱] کنز العمال: ۱/۴۲۷ (۱۸۴۱)، باب فی الذکر وفضیلتہ، مؤسسۃ الرسالۃ

سے تر ہے، غافل نہیں لکھا جاوے گا۔ اسی کا نام فقیری اور درویشی ہے کہ دین کی باریک سمجھ پیدا ہو جائے۔ ہر وقت ظاہراً و باطناً اپنے کو مرضئ الٰہی کے مطابق رکھنا اصل فقیری ہے۔ فہم و عقل سے اگر آدمی کام لے تو بڑا درجہ ملتا ہے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ لوگ نماز پڑھتے ہیں، حج کرتے ہیں، روزے رکھتے ہیں مگر **لَا يُجْزَوْنَ إِلَّا بِقَدْرِ عُقُوْلِهِمْ**[۲] ہر شخص کو جزا اس کی عقل و فہم کے مطابق ملے گی۔ اس میں بات یہ ہے کہ عبادت بدون اخلاص کے مقبول نہیں اور اخلاص عقل و فہم سلیم ہی سے پیدا ہوتا ہے۔

۲) **ارشاد فرمایا کہ** حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اے میرے دوستو! بُری نگاہ سے اپنے کو بچاتے رہو، کیوں کہ بُری نگاہ دل میں بُری خواہش پیدا کرتی ہے۔ جو اس شخص کے لیے بہت بڑے فتنے کا باعث بنتی ہے۔ پھر فرمایا کہ مبارک ہو ہر اس شخص کے لیے جس کی آنکھ اس کے دل میں ہو اور اس کا دل اس کی آنکھ میں نہ ہو **طُوْبٰى لِمَنْ كَانَ بَصَرَهٗ فِيْ قَلْبِهٖ وَلَمْ يَكُنْ قَلْبُهٗ فِيْ بَصَرِهٖ**[۳] اس کا مطلب یہ ہے کہ اپنے قلب کی حفاظت غیر اللہ سے کرتا رہے۔ جس کا طریقہ قلب کو حق تعالیٰ کی یاد میں مشغول رکھنا ہے اور یہ موقوف ہے کہ آنکھوں کو قلب کی نگرانی میں مصروف رکھا جائے۔ اور اگر آنکھوں کو آزاد رکھا گیا تو یہ بُری جگہوں میں بُری خواہش کا شکار ہوں گی اور اس کے ساتھ ساتھ قلب کا بھی ستیاناس ہو جاوے گا۔ کیوں کہ بُرے بُرے خیالات و ارادے دل میں موجزن ہوں گے اور دل ہر وقت بد نگاہی کو چاہے گا، یہی مراد ہے دل کا آنکھ میں ہونا۔

۳) **ارشاد فرمایا کہ** ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ مجھے اس شخص پر تعجب ہوتا ہے جو مرض کے خوف سے کھانے پینے سے پرہیز کرتا ہے اور جہنم کے خوف سے گناہوں سے پرہیز نہیں کرتا۔

۴) **ارشاد فرمایا کہ** حدیث شریف میں آتا ہے کہ بے نمازی لوگ بروز قیامت فرعون وہامان اور قارون اور اُبی بن خلف کے ساتھ اسفل الدرکات میں ہوں گے، صاحب

۲۔ مسند الحارث:۲/۸۰۵(۸۲۳)،باب ماجاء فی العقل،مرکز خدمة السنة والسيرة النبوية

۳۔ مدارج السالكين:۱/۴۸۳،فصل منزلة السماع،دار الكتاب العربي

"نزہۃ المجالس" نے لکھا ہے کہ ان چاروں کے ساتھ خصوصیت یہ ہے کہ یہ چار شخص رؤس الکفار ہیں پس جس نے تجارت کی مشغولی سے نماز ترک کی وہ اُبی بن خلف کے ساتھ ہوگا، اور جس نے سلطنت کی حرص میں نماز ترک کی وہ فرعون کے ساتھ ہوگا، جس نے مال کی خاطر ترک کی وہ قارون کے ساتھ ہوگا، اور جس نے ریاست کی خاطر ترک کی وہ ہامان کے ساتھ ہوگا کیوں کہ ہامان وزیر تھا اور فرعون کی ریاست چاہتا تھا۔[۴]

۵) **ارشاد فرمایا کہ** حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کا عجیب ترجمہ فرمایا ہے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی کس قدر گہری نظر تھی، **قَالَ تَعَالٰی: اِنَّمَا یُرِیۡدُ اللّٰہُ لِیُذۡہِبَ عَنۡکُمُ الرِّجۡسَ اَہۡلَ الۡبَیۡتِ وَ یُطَہِّرَکُمۡ تَطۡہِیۡرًا**[۵] اللہ تعالیٰ کو یہ منظور ہے کہ اے نبی کے گھر والو! تم سے آلودگی کو دور رکھے اور تم کو پاک وصاف رکھے۔ حضرت نے کس قدر ادب اس ترجمہ میں ملحوظ رکھا ہے۔ کیوں کہ **لِیُذۡہِبَ** کا ترجمہ اگر دور کردے، کیا جاوے تو ثبوت آلودگی ہو کر پھر نفی واقع ہوتی ہے اور اس میں کھلی بے ادبی ہے۔ نعوذ باللہ، نعوذ باللہ۔ اور دور رکھنے میں آلودگی سابق اور آلودگی لاحق دونوں سے محفوظ ہونا ثابت ہوتا ہے، اور یہی مدلول ہے آیت کا۔ سبحان اللہ! کیسا پاکیزہ ترجمہ ہے۔ اسی طرح **عَبَسَ وَ تَوَلّٰۤی ۙ اَنۡ جَآءَہُ الۡاَعۡمٰی**[۶] میں **عَبَسَ** کا ترجمہ کسی نے لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ترش رو ہوئے اور کسی نے کچھ ترجمہ کیا، مگر حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے جو ترجمہ فرمایا سبحان اللہ! کس قدر حسنِ ادب ہے: اور چیں بجبیں (مزاج مکدر) ہوئے (حضور صلی اللہ علیہ وسلم)۔ حضور کی انقباض طبیعت کو چیں بجبیں ہونے میں کس قدر حسنِ بلاغت اور حسنِ ادب سے ظاہر فرمایا ہے۔

۶) **ارشاد فرمایا کہ** حق تعالیٰ نے ایک علم عظیم عطا فرمایا ہے، وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کے نیک بندے اللہ تعالیٰ سے اُمیدیں بہت رکھتے ہیں جس سے بظاہر یہ اشکال ہوتا ہے کہ ان کو اپنے اعمال کی مقبولیت پر نظر ہوتی ہے اور اعمال پر نظر سخت حجابِ راہ ہے۔ تو بھائی یہ بات نہیں ہے، ان کو اپنے اعمال پر ہرگز نظر نہیں ہوتی بلکہ اپنے حسنات سے بھی شرمندہ رہتے

---

۴ نزھۃ المجالس ومنتخب النفائس: ۱/۱۳۹، باب فضل الصلوٰۃ لیلا ونھارا، مکتبۃ القاھرۃ
۵ الاحزاب: ۳۳
۶ عبس: ۱، ۲

ہیں اور استغفار کرتے ہیں۔ کیوں کہ اپنے ہر عمل میں نفس کی آمیزش کی بدگمانی ان کو غمگین وخائف اور تائب رکھتی ہے، باقی ان کو اُمید اپنے اللہ سے زیادہ رکھنے کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ اعمالِ صالحہ سے اور کثرتِ ذکر سے ان کو اپنے رب سے اُنس ہوجاتا ہے اور یہی اُنس ان کی رِجا یعنی اُمید کا باعث ہوتا ہے۔ اس مضمون کی تائید اس آیت سے ہوتی ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں:

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ اُولٰٓئِكَ يَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ[۷]

ترجمہ: حقیقتاً جو لوگ ایمان لائے ہوں اور جن لوگوں نے راہِ خدا میں ترکِ وطن کیا ہو اور جہاد کیا ہو ایسے لوگ تو رحمتِ خداوندی کے اُمیدوار ہوا کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ معاف کردیں گے اور رحمت کریں گے۔ (بیان القرآن)

اس اُمید کی مثال ایسی ہے کہ جو شخص کسی دوست کے پاس برابر آتا جاتا ہے، اس کو یہ اُمید اپنے دوست سے ہوتی ہے کہ جب کوئی حاجت لے کر جاؤں گا تو رد نہ کریں گے اسی طرح نیک بندہ چوں کہ دربارِ خداوندی میں برابر حاضری دیتا رہتا ہے رات میں، دن میں، پچھلے پہر میں تو اس کو حق تعالیٰ سے ایک خاص اُمید قائم ہوجاتی ہے۔ آیتِ کریمہ میں وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ فرما کر یہ بھی بتلادیا کہ غلطیاں تو ہوں گی ہجرت میں اور جہاد فی سبیل اللہ میں مگر نااُمید مت ہونا، استغفار سے اس کا تدارک کرلینا۔ رشتۂ بندگی اسی طرح قائم رہ سکے گا۔ یہ ربط ہے غفور رحیم کا۔ یہ حضرت مرشدی رحمۃ اللہ علیہ کا فیض ہے۔ دل ان کا ہے اور زبان میری ہے۔

(جامع عرض کرتا ہے اس آخری جملے پر حضرت والا کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے)

اَللّٰھُمَّ اغْسِلْ خَطَایَایَ بِمَاءِ الثَّلْجِ وَالْبَرَدِ وَنَقِّ قَلْبِیْ کَمَا یُنَقَّی الثَّوْبُ الْاَبْیَضُ مِنَ الدَّنَسِ[۸] حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اے اللہ! میرے گناہوں کو برف اور اولے کے پانی سے دھودے، اور میرے دل کو اس طرح پاک کردے جیسا کہ سفید کپڑا صاف کیا جاتا ہے۔ برف اور اولے کے پانی سے گناہوں کو دھونے کے متعلق

---

۷ البقرۃ: ۲۱۸

۸ صحیح البخاری: ۲/۹۴۳ (۶۳۰۹)، باب الاستعاذۃ من ارذل العمر، المکتبۃ المظہریۃ

اللہ تعالیٰ نے دل میں ایک مضمون القاء فرمایا ہے جو در حقیقت ایک سوال کا جواب ہے۔ وہ سوال یہ ہے کہ برف اور اولے کی قید میں کیا حکمت ہے؟

میں بخاری شریف پڑھا رہا تھا۔ میرے ایک معزز اور محترم مہمان جناب ڈاکٹر عبد الحی صاحب مُجاز بیعت حضرت حکیم الاُمّت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ جونپور سے تشریف لائے ہوئے تھے، انہوں نے یہی سوال کیا۔ میرے دل میں اس کا پہلے سے کوئی جواب حاضر نہ تھا میں آنکھ بند کرکے حق تعالیٰ کی طرف سے جواب کا منتظر ہوا۔ اللہ تعالیٰ کا احسان عظیم ہے کہ حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کی برکت سے فوراً جواب سمجھ میں آگیا جس کو سُن کر احباب بہت خوش ہوئے۔ وہ جواب یہ ہے کہ:

برف اور اولے کے پانی میں دو صفتیں ممتاز اور نمایاں ہوتی ہیں ایک برودت یعنی ٹھنڈک دوسرے شفافیت، اور خطایا کے اندر بھی دو باتیں ممتاز ہوتی ہیں ایک شہواتِ نفسانیہ کی گرمی اور دوسرے ان کی ظلمت اور تاریکی۔ اسی کو حضرت عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

نار بیرونی بآبے بفرد
نارِ شہوت تابدوزخ می برد

خشم و شہوت مرد را احول کند
ز استقامۃ روح را مبدل کُند

معالجات کا قاعدہ مسلمہ ہے کہ مزاجِ مریض جس درجے میں حار یا بارد ہوتا ہے محقق طبیب اسی درجے میں باقاعدہ علاج بالضد دواء بھی تجویز کرتا ہے تاکہ مزاجِ مرض اور مزاجِ دوا میں فعل اور انفعال واقع ہوکر اعتدال پیدا ہو جائے اور غیر طبعی مزاج اپنے اصلی اور طبعی مزاج کی طرف لوٹ آئے۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ طب جسمانی اور طبِّ روحانی کے اُصول اور کلیات ایک دوسرے سے بہت ملتے جلتے ہیں۔ روح کے اندر گناہوں سے جو غیر طبعی حرارت شہوانیہ اور ظلم سے نفسانیہ عارض ہو جاتی ہے اس کا معالجہ شارع علیہ السلام معالج روحانی نے غسل بالثلج والبرد تجویز فرمایا تاکہ برف اور اولے کی ٹھنڈک شہواتِ نفسانیہ کی

گرمی بجھادے اور ان کی شفافیت ظلمات اور تاریکیوں کا قلع قمع کردے۔ یہ حکمت ایمانی ہے۔

چند خوانی حکمت یونانیاں
حکمتِ ایمانیاں راہم بخواں

اب ایک علمی اشکال بظاہر اور ہوتا ہے، وہ یہ کہ خطایا امور غیر محسوسہ غیر مبصرہ اعراض سے ہیں اور گناہوں کا برف اولے کے پانی سے غَسل گناہوں کا خارجی وجود چاہتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس عالمِ شہادت کے تمام اعراض جو یہاں غیر محسوس اور غیر مبصر ہیں عالمِ مثال میں ہر ایک کے صُور محسوسہ ہیں، اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے سے حجابات مرفوع تھے۔ اور کبھی حق تعالیٰ اُمّت محمدیہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اولیاء پر بھی بطور خرقِ عادات وکرامت عالمِ مثال کو منکشف فرمادیتے ہیں۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بزرگ کا واقعہ بیان فرمایا کہ جب امامت سے فارغ ہوتے تو عمامہ کی کور سے اپنی آنکھوں پر پردہ کیے ہوئے مسجد سے باہر تشریف لے جاتے۔ ایک روز کسی بے تکلف دوست نے ان بزرگ سے دریافت کیا کہ حضرت آپ آنکھوں پر اس پردے کا کیوں اہتمام فرماتے ہیں؟ فرمایا کہ بات یہ ہے کہ اکثر انسان مجھے مختلف جانوروں کی شکل میں نظر آتے ہیں۔ جس کے اندر جس جانور کی خصلت اور عادت راسخ ہوچکی ہے وہ اسی جانور کی شکل میں عالمِ مثال میں متشکل اور متمثل کردیا جاتا ہے۔ صورتِ انسانی ایسے شخص کی عالمِ مثال میں مسخ کردی جاتی ہے۔ اور حق تعالیٰ کا میرے ساتھ خاص معاملہ ہے، وہ یہ کہ میرے سامنے عالمِ مثال کو منکشف کردیا گیا ہے۔ پس میں اپنی نظر کو اس منظر کے دیکھنے سے بچانے کا اہتمام کرتا ہوں۔ کیوں کہ دل اس منظر کو دیکھ کر غمگین ہوتا ہے، اور ڈرتا ہوں کہ تعارف کے بعد دل میں اس کی تحقیر نہ پیدا ہوجاوے۔ اسی جواب سے جو اوپر غسل خطایا بالثلج کے تحت بیان کرچکا ہوں بخاری شریف کی اس حدیث کا اشکال بھی حل ہوجاتا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ چادر پھیلاؤ اَبْسُطْ رِدَاءَكَ[9] پھر آپ نے اپنے دست مبارک سے علم کی نعمت عطا فرمائی، اور آپ دونوں

---

[9] صحیح البخاری:۲۲/۱(۱۲۱)،باب حفظ العلم،المکتبۃ المظہریۃ

دست مبارک کو اس طرح چادر کی طرف بڑھا رہے تھے جس طرح کوئی محسوس اور مبصر چیز کسی کو دیا کرتے ہیں، یہاں بھی یہی جواب دیا جائے گا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بطور معجزہ علوم کو کہ من جملہ اعراض غیر مبصرہ غیر محسوسہ سے ہیں بمنزلہ جوہر مبصر اور محسوس فرمادیا گیا، اور چادر پھیلانے کا جو حکم ارشاد فرمایا اس میں حکمت یہ ہے کہ بدون واسطۂ چادر علومِ نبوت کا تحمل حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ممکن نہ تھا، پانی کے اندر آگ کی حرارت حاصل کرنے کے لیے برتن کے واسطے کی ضرورت پڑتی ہے۔

حدیث مذکور میں دوسرا عنوان یہ ارشاد فرمایا گیا کہ میرے دل کو اس طرح پاک کر دیجیے جس طرح سفید کپڑا میل سے صاف کیا جاتا ہے۔ سفید کپڑے کی مثال میں یہ حکمت سمجھ میں آئی کہ معاصی سے قبل قلب صاف ہوتا ہے، بالغ ہونے کے بعد انسان جب گناہ کرتا ہے تو حدیث شریف میں آیا ہے کہ ایک نقطہ سیاہ دل میں پیدا ہو جاتا ہے۔ اب اگر اس عاصی نے اپنی معصیت سے سچی توبہ کر لی اور اشکِ ندامت سے تدارک کر لیا تو پھر یہ نقطہ صاف ہو جاتا ہے اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ کَمَنْ لَّاذَنْبَ لَهٗ[۱۰] حدیثِ پاک میں ہے کہ صدقِ دل سے توبہ کرنے والا ایسا ہے گویا اس نے گناہ ہی نہیں کیا۔ حق تعالیٰ کی رحمت بندۂ گناہ گار کی گریہ وزاری اور ندامت واستغفار دیکھ کر جوش میں آجاتی ہے اور اس بندۂ عاصی پر اپنی خاص رحمت ومغفرت کے ساتھ توجہ فرماتے ہیں۔ میں ایک مثال دیا کرتا ہوں کہ دو پیسے کے صابن سے گندا کپڑا صاف ہو جاتا ہے، جب صابن جو ایک مخلوق ہے اس میں حق تعالیٰ نے یہ اثر رکھا ہے۔

جرعہ خاک آمیز چوں مجنوں کند
صاف گر باشد نہ دانم چوں کند

حق تعالیٰ شانہٗ جس بندے کی تطہیر فرمادیں اس کی طہارتِ باطنی اور صفائیِ قلب کیوں کر نہ ہوگی۔

۷) **ارشاد فرمایا کہ** پانی پینا تین سانس میں سنّت ہے اور دو سانس میں پینا بھی ثابت ہے۔

---

[۱۰] مشکوٰۃ المصابیح:۲۰۶، باب الاستغفار والتوبۃ، المکتبۃ القدیمیۃ

۸)ارشاد فرمایا کہ جمعہ کے خطبے کے وقت جو اذان دی جاتی ہے اس کا جواب نہ دینا چاہیے۔ جب امام خطبے کے لیے کھڑا ہو جائے تو اس وقت نہ کوئی نماز جائز ہے نہ کسی قسم کا کلام جائز ہے۔ حتیٰ کہ جب امام خطبے میں یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْهِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا [۱۱] پڑھے تو اس وقت زبان سے درود شریف پڑھنے کے بجائے دل میں درود شریف پڑھنا چاہیے۔ اس وقت امام کا درود شریف پڑھنا تمام مقتدیوں کی طرف سے کافی ہوتا ہے۔ اسی طرح پنج وقتہ اذانوں کے بعد جو دُعا پڑھی جاتی ہے اس میں ہاتھ اُٹھانا ثابت نہیں ہے۔

۹)ارشاد فرمایا کہ اس زمانے میں چوں کہ مثانے کمزور ہو گئے ہیں اس لیے حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ ہے کہ کلوخ لینا واجب ہے، کچھ دیر کلوخ لے کر ٹہلے جب قطروں سے اطمینان ہو جائے پھر پانی سے طہارت کر لے۔ جو لوگ کلوخ استعمال نہیں کرتے ہیں ان کی نماز نہیں ہوتی ہے، کیوں کہ قطرات گر کر اتنی مقدار میں پھیل جاتے ہیں جو عفو کی حد میں نہیں آتی۔

ملفوظ ملقب بعلامات الولی

۱۰)ارشاد فرمایا کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کا عجیب ترجمہ فرمایا ہے: اَلرَّحْمٰنُ فَسْئَلْ بِهٖ خَبِیْرًا [۱۲] رحمٰن کی شان کو کسی باخبر سے پوچھو۔ سبحان اللہ! اس میں تنبیہ ہے اس امر کی کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت عارفین کی صحبت سے حاصل کرنی چاہیے، غیر محقق اناڑی پیروں کے ہاتھ میں ہاتھ نہ دینا چاہیے کیوں کہ ؎

ہر آنکہ گم است کرا رہبری کند

کا مصداق ہے۔ اسی کو حضرت عارف فرماتے ہیں ؎

اے بسا ابلیس آدم روئے ہست
پس بہر دستے نباید داد دست

---

[۱۱] الاحزاب:۵۶

[۱۲] الفرقان:۵۹

باخبر ہونے کی علامت کیا ہے اس کی علامت کو شروع ہی میں فرمادیا ہے: ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ [۱۳] باخبر ہی متقین ہوتے ہیں جو قرآنی ہدایت پر عمل پیرا ہوتے ہیں، ان کا تقویٰ ان کی خشیتِ الٰہیہ ان کے باخبر ہونے کی دلیل ہے۔ جو جس قدر باخبر ہوگا اسی قدر متقی ہوگا۔ حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا [۱۴] اللہ سے کون لوگ ڈرتے ہیں جو عالم باللہ ہوتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سید المتقین ارشاد فرماتے ہیں: اِنَّ اَتْقَاكُمْ وَاَعْلَمَكُمْ بِاللّٰهِ اَنَا [۱۵] حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: میں تم سب لوگوں سے زیادہ عالم باللہ ہوں اس وجہ سے تم سب سے زیادہ میں اللہ سے ڈرنے والا ہوں۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو جتنا اللہ سے باخبر ہوتا ہے اسی قدر اس میں خشیت اور تقویٰ کے آثار موجود ہوتے ہیں، اور اسی خشیتِ الٰہیہ کے سبب وہ قرآن وحدیث کے حکم پر عامل ہوتا ہے۔ تمام احکام کی بجا آوری اور جملہ معاصی سے پرہیز اور کوتاہیوں پر استغفار وندامت یہی معیار ہے باخبر ہونے کا۔ ان نصوص کی روشنی میں ان جاہلوں کی فقیری کا حال واضح ہوگیا جو احکامِ شریعت سے آزاد ہوکر نفس پروری کی ایک نئی راہ نکال کر تصوف اور درویشی کے نام سے خود بھی گمراہ ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے پھرتے ہیں اور اپنے کو پہنچا ہوا کہتے ہیں۔ عوام نادانی سے ان کے فریب میں آجاتے ہیں، عوام یہ نہیں جانتے کہ پہنچے تو ہوئے ہیں لیکن کہاں پہنچے ہوئے ہیں؟ جہنم میں پہنچے ہوئے ہیں۔ واصل تو ہیں مگر واصلِ جہنم ہیں ۔

خلافِ پیمبر کسے رہ گزید
کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

باخبر ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن خشیت اور تقویٰ کی دلیل ان میں موجود نہیں ہے اور دعویٰ بدون دلیل محض باطل ہے۔ جو باخبر ہیں وہ متقی ہیں۔ قرآن کی ہدایت ان کے ساتھ ہے اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ [۱۶] بس یہ لوگ اپنے رب کی طرف سے

۱۳؎ البقرۃ:۲

۱۴؎ فاطر:۲۸

۱۵؎ صحیح البخاری:۱/۷(۲۰)، باب قول النبی انا اعلمکم باللہ، المکتبۃ المظھریۃ

۱۶؎ البقرۃ:۵

ملی ہوئی صحیح راہ پر ہیں اور یہ لوگ پورے کامیاب ہیں، یہی متقین باخبر ہیں اور اولیاء اللہ بھی کہلاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنا ولی فرمایا ہے، فرماتے ہیں:

اَلَآ اِنَّ اَوۡلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوۡفٌ عَلَیۡہِمۡ وَ لَا ہُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ ﴿۶۲﴾
الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ کَانُوۡا یَتَّقُوۡنَ ﴿۶۳﴾ [۱۷]

حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ بے شک جو اللہ تعالیٰ کے ولی ہیں ان کو نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ اور اولیاء اللہ کون لوگ ہیں؟ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ کَانُوۡا یَتَّقُوۡنَ جو ایمان لائے اللہ پر اور اپنے اللہ سے ڈرتے رہتے ہیں۔ یَتَّقُوۡنَ صیغہ مضارع کا ہے جس میں تجدد استمراری ہوتا ہے، اسی خاصیت کی بنا پر یَتَّقُوۡنَ کا یہ ترجمہ کیا جاتا ہے کہ ڈرتے رہتے ہیں، ایک دفعہ ڈرنا نہیں ہے پوری زندگی بھر ڈرتے رہتے ہیں، قدم ڈر کر رکھتے ہیں کہ یہ قدم اللہ کی مرضی کے مطابق ہے یا نہیں۔ ان کی طرف سے یہ ڈر مرتے دم تک تھا اور اللہ تعالیٰ نے اس ڈر کی قدر فرمائی کہ ہمیشہ کے لیے ان کو چین و امن نصیب فرمایا۔ روح نکلنے کے وقت بشارت دی جارہی ہے کہ کوئی اندیشہ وخوف مت کرو اور نہ غمگین ہو۔ یہ امن کس چیز سے نصیب ہوا؟ خوف ہی سے ملا ہے اللہ کا خوف ایسا خوف ہے جو اپنے اندر امن کی خاصیت رکھتا ہے۔

امن ایں از عین خوف آمد پدید

پوری زندگی اللہ سے ڈر کر گزاری تھی اب بشارت دی جارہی ہے۔

اَلَّا تَخَافُوۡا وَ لَا تَحۡزَنُوۡا وَ اَبۡشِرُوۡا بِالۡجَنَّۃِ الَّتِیۡ کُنۡتُمۡ تُوۡعَدُوۡنَ [۱۸]

اب دنیا سے رخصت ہونے کا وقت ہے، بہت ڈر چکے اب عالمِ امتحان ختم ہوگیا اب دوسرا عالم شروع ہورہا ہے، اب ہماری عنایتیں تمہارے اوپر ہوں گی۔ "لَا تَخَافُوۡا ہست نزل خائفان" ڈرنے والوں کی یعنی متقین کی مہمان نوازی لَا تَخَافُوۡا سے کی جائے گی۔ لَا تَخَافُوۡا ان کے ڈر کو بتارہا ہے جو نڈر ہوتا ہے اس کو "مت ڈرو" نہیں کہا جاتا ہے۔ تسلی تو ڈرنے والوں کے لیے ہوتی ہے۔ یہ اپنے اللہ سے اگر باخبر نہ ہوتے تو کیوں ڈرتے؟ ڈرنے میں اور باخبر ہونے میں لزوم ہے۔ جو ڈرے گا وہ باخبر ہوگا، جو باخبر ہوگا وہ ڈرے گا، حق تعالیٰ شانہٗ نے اَلرَّحۡمٰنُ فَسۡـَٔلۡ بِہٖ خَبِیۡرًا

---

۱۷ یونس: ۶۲-۶۳
۱۸ حٰمٓ السجدۃ: ۳۰

نازل فرما کر بتادیا کہ ہمارے باخبر بندے ایسے ہوتے ہیں جو اپنے رب کی طرف دعوت دیتے ہیں اور علیٰ وجہ البصیرۃ دعوت دیتے ہیں اَدۡعُوۡۤا اِلَی اللّٰہِ ؔ عَلٰی بَصِیۡرَۃٍ اَنَا وَ مَنِ اتَّبَعَنِیۡ [۱۹] خود بھی رحمٰن کی شان پہچانتے ہیں اور جب کوئی سائل طالب بن کر ان کے پاس آتا ہے تو اس کو بھی اپنے فیضِ صحبت سے، اپنے تقویٰ سے، اپنے کردار واطوار سے، اپنی طاعات کے انوار سے، اپنے ملفوظات سے، رحمٰن کی شان سے باخبر فرماتے رہتے ہیں۔ ان ہی سے ہدایت کا کام لیا جاتا ہے۔ یہ اگرچہ بظاہر پھٹے کپڑوں اور خستہ حالی میں ہوں لیکن مخلوق کو ان کی روحانیت کی قوت اور فیض ہدایت ہوتی ہے۔ ان کے چہرے کے انوار اُمّت کے لیے ہادی ہوتے ہیں۔

سِیۡمَاہُمۡ فِیۡ وُجُوۡہِہِمۡ مِّنۡ اَثَرِ السُّجُوۡدِ ؕ [۲۰]

خِیَارُ عِبَادِ اللّٰہِ الَّذِیۡنَ اِذَا رُءُوۡا ذُکِرَ اللّٰہُ [۲۱] اور یہی لوگ اصلی پیر ہوتے ہیں ؎

ضعف قطب از تن بود از روح نے
ضعف در کشتی بود در نوح نے

شیخ نورانی ز رہ آگہہ کند
نور را بالفظہا ہمرہ کند

دست گیر و بندہ خاص الٰہ
طالباں را می برد تا پیش گاہ

ماہیانِ قعر دریائے جلال
بحر شاں آموختہ سحر حلال

جب لوہا پارس سے چھو جاتا ہے تو فوراً سونا بن جاتا ہے ؎

آہن کہ بپارس آشنا شد
فی الفور بصورتِ طلا شد

---

۱۹ یوسف:۱۰۸
۲۰ الفتح:۲۹
۲۱ شعب الایمان للبیہقی:۹/۷۷(۶۳۸۲) تحریم اعراض الناس ومایلزم من ترک الوقوع منہا، مکتبۃ الرشد

گر تو سنگِ خارا و مرمر بوی
چوں بصاحبِ دل رسی گوہر شوی

کاملین کی صحبت سے کامل نفع جس طرح طالب کے اندر اللہ و رسول کی سچی طلب اور سچی پیاس پر موقوف ہے اسی طرح سچی پیاس کا حاصل ہونا اللہ والوں کی صحبت پر موقوف ہے۔ اسی طرح حضرت عارف رومی فرماتے ہیں ؎

اے کہ تو طالب نئی تو ہم بیا
تا طلب یابی ازیں یار وفا
ہر کہ رابینی طلب گار اے پسر
یار او شو پیش او انداز سر

حضرت عارف رومی فرماتے ہیں کہ اگر تو طالبِ صادق نہیں ہے اس راہ کا تو نا اُمیدی کی راہ مت اختیار کر، تو بھی اللہ والے کی صحبت میں آ، تاکہ اس کی صحبت سے تجھ کو سچی طلب حاصل ہو۔ یعنی اس اللہ والے کے اندر جو اللہ و رسول کی محبت کی پیاس ہے اس کا پر تو تیرے قلب پر جب پڑے گا تو تیرا دل بھی حرکت میں آجائے گا اور طلب سے تڑپ جائے گا اور اللہ کی محبت کا پیاسا ہو جائے گا۔ جس کو اللہ و رسول کا سچا طلب گار پاؤ اس کو اپنا دوست بنالو اور سر نیاز اس کے سامنے خم کر دو یعنی اس کے اس طرح تابع ہو جاؤ کہ وہ تمہارے نفس کو پامال کر دے۔

۱۱) **ارشاد فرمایا کہ** حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

وَاِذِ ابۡتَلٰۤى اِبۡرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ؕ
قَالَ اِنِّىۡ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ[۲۲]

اور یاد کرو اس وقت کو جبکہ امتحان کیا حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ان کے پروردگار نے چند باتوں میں اور وہ ان کو پورے طور پر بجالائے۔ حق تعالیٰ نے فرمایا کہ میں تم کو لوگوں کا مقتدا بناؤں گا۔ ان آیتوں میں یہ بتایا گیا ہے کہ جس کو اللہ میاں مقتدا بناتے ہیں تو اس کو پہلے امتحانات میں مبتلا فرماتے ہیں۔

۲۲؎ البقرۃ:۱۲۴

امتحانات کا یہ مقصد نہیں ہوتا کہ حق تعالیٰ امتحانات کے نتائج سے مطلع نہیں ہوتے اللہ تعالیٰ کو سب علم ہوتا ہے لیکن امتحانات سے خود بندوں کی تربیت اور تکمیلِ عبدیت مقصود ہوتی ہے۔ نیز دوسروں کو ان ہی امتحانات کے ذریعے ان کی صلاحیت اور شانِ مقتدائیت کا مشاہدہ کرانا بھی مقصود ہوتا ہے تاکہ جب یہ منصبِ مقتدائیت پر فائز کیے جاویں تو لوگوں کو ان کی سابقہ صلاحیتوں کے چشم دید مشاہدوں اور تجربوں سے ان کی طرف میلان ہو اور ان کی ہدایت کو قبول کریں۔

ملفوظ ملقب بآداب التربیت

۱۲) **ارشاد فرمایا کہ** حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: وَاِذۡ اَخَذۡنَا مِیۡثَاقَکُمۡ وَ رَفَعۡنَا فَوۡقَکُمُ الطُّوۡرَ اور یاد کرو اس وقت کو جبکہ ہم نے تمہارا قول و قرار لیا تھا اور طور کو تمہارے اوپر معلق کر دیا خُذُوۡا مَاۤ اٰتَیۡنٰکُمۡ بِقُوَّۃٍ وَّ اذۡکُرُوۡا مَا فِیۡہِ لَعَلَّکُمۡ تَتَّقُوۡنَ [۲۳] کہ قبول کرو جو کتاب ہم نے تم کو دی ہے مضبوطی کے ساتھ اور یاد رکھو جو احکام اس میں ہیں جس سے توقع ہے کہ تم متقی بن جاؤ۔ ان آیتوں کے اندر یہودیوں کی اصلاح اور ہدایت کے لیے طور پہاڑ کو ان کے سروں پر معلق کرنے کے متعلق بظاہر یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ نے لَاۤ اِکۡرَاہَ فِی الدِّیۡنِ [۲۴] فرمایا ہے یعنی دین میں جبر نہیں ہے، اور طور پہاڑ کا ان کے سروں پر معلق فرمانا ان کی اصلاح و ہدایت کے لیے جبر کرنا معلوم ہوتا ہے۔ اس ظاہری اشکال کا حل یہ ہے کہ لَاۤ اِکۡرَاہَ فِی الدِّیۡنِ کا مطلب یہ ہے کہ دین قبول کرنے کے لیے کسی پر ابتداً جبر نہ کیا جائے گا، لیکن جب کوئی ایمان قبول کرلے اور اطاعت کا معاہدہ کرلے تو میثاق و معاہدۂ اطاعت کے بعد گرفت اور مواخذہ خلافِ عقل نہیں۔ چناں چہ اس مقام میں پہلے یہ لوگ رغبت کے ساتھ ایمان لاچکے تھے، اس کے بعد اس ایمان کی حفاظت کے لیے ان کو مجبور کیا گیا۔ اس آیت سے سلوک کے تین مسئلوں کا استنباط ہوتا ہے ایک تو یہ کہ جب طالبِ صادق شیخ کے ہاتھ پر بیعت کرلے جس کا حاصل معاہدۂ اطاعت ہے تو اب مصلح کو سختی سے سخت گرفت اور

---

[۲۳] البقرۃ: ۶۳
[۲۴] البقرۃ: ۲۵۶

ڈانٹ ڈپٹ کا حق حاصل ہوگیا اور طالب کو اس سے ہرگز چیں بہ جبیں نہ ہونا چاہیے کیوں کہ اصلاح کے مختلف طریقے ہوتے ہیں۔

درشتی و نرمی بہم دربہہ است
جو رگ زن کہ جراح و مرہم نہہ است

اور دوسرا مسئلہ یہ نکلتا ہے کہ ان کے سروں پر حق تعالیٰ نے طور پہاڑ کو رکھا نہیں تھا ڈرانے کے لیے صرف اوپر معلق فرمادیا تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ مصلح کو طالبین کی اصلاح کے لیے صرف تہدید یعنی ڈرانا مقصود ہونا چاہیے جیسا کہ یہاں ان کے سروں پر رفع طور تھا وضع طور نہ تھا۔

تیسرا مسئلہ خُذُوْا مَآ اٰتَیْنٰکُمْ بِقُوَّۃٍ سے مشایخ کے اس معمول کی سند ملتی ہے کہ وہ اپنے طالبین کی ہمت افزائی فرماتے رہتے ہیں اور مشکل سے مشکل رذائل کے باوجود مایوس نہیں ہونے دیتے، اور ہمیشہ دُعا اور ہمت سے کام لینے کی ہدایت کرتے رہتے ہیں۔

۱۳) ارشاد فرمایا کہ اطاعت کے معنیٰ خوشی سے بندگی کرنا۔ کیوں کہ اطاعت طوع سے ہے جو مقابلے میں کرہ کے استدلال کیا جاتا ہے۔ چناں چہ زمین وآسمان کو حق تعالیٰ نے مخاطب کرکے فرمایا: ائْتِیَا طَوْعًا اَوْ کَرْهًا تو دونوں نے جواب دیا: اَتَیْنَا طَآئِعِیْنَ[۲۵] یعنی ہم دونوں خوشی سے تابع داری کے لیے حاضر ہیں۔ جہاں جہاں قرآن میں اَطِیْعُوا اللّٰهَ یا اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ[۲۶] آتا ہے وہاں یہی مفہوم مراد ہے یعنی خوشی سے تابعدار بن جاؤ اللہ اور رسول کے، اور خوشی سے اطاعت جب ہوتی ہے جب اللہ ورسول کی محبت دل میں غالب ہوجائے۔ اور یہ محبت کتابوں سے نہیں ملتی ہے اللہ والوں کے سینے سے ملتی ہے۔ خواجہ صاحب نے خوب فرمایا ہے۔

جو عشق کی خاصیت وہ آگ کی خاصیت
ایک سینہ بسینہ ہے اک خانہ بخانہ ہے

۲۵؎ حٰمٓ السجدۃ:۱۱
۲۶؎ محمد:۳۳

محبت الٰہیہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فیضِ محبت سے حضرات صحابہ کو ملی اور پھر حضرات صحابہ سے تابعین کو اور تابعین سے تبع تابعین کو اسی طرح ایک سلسلہ چلا آرہا ہے۔ حضرت عارف رومی فرماتے ہیں ؎

فخر خواہی آں بصحبت قائم است
نہ زبانت کار می آید نہ دست

گزشتہ شمارے میں حضرت کے اسم گرامی کے ساتھ شیخ المشائخ (ملخص از پرچہ نظام) لکھ دیا تھا اور یہ مبالغہ نہیں اظہارِ واقعہ تھا مگر حضرت والا نے حسب ذیل تحریر کے ذریعے اس پر ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا ہے اس لیے الامر فوق الادب پر عمل کرتے ہوئے اس لفظ کو نہیں لکھ رہے ہیں مگر واقعہ بہرحال واقعہ رہے گا خواہ اس کا اظہار کیا جائے یا نہ کیا جائے۔ اس تحریر گرامی کو شائع اس لیے کر رہے ہیں کہ حضرت والا کے دوسرے عقیدت مندوں کو بھی حضرت کے ذوق کا علم ہو جائے اور لمبے چوڑے تعریفی الفاظ پسند کرنے والے بھی اس سے نصیحت کریں۔ (معاون مدیر)

تحریر گرامی ملاحظہ ہو:

نظام میں اپنے نام کے ساتھ شیخ المشائخ لکھا ہوا دیکھ کر مجھے روحانی تکلیف ہوئی۔ یوں تو خطوط میں لوگ عقیدت و محبت سے نہ جانے کیا کیا لکھ دیتے ہیں میں ان کی کہاں تک دھر پکڑ (روک ٹوک) کروں لیکن رسالہ کی شان دوسری ہے۔ منظر عام میں میں اس خطاب کا متحمل نہیں ہو سکتا اور نہ میں اس لائق ہوں لہٰذا میں مدیر، معاون مدیر سے درخواست کرتا ہوں کہ لفظ شیخ المشائخ میرے نام کے ساتھ نہ لکھا کریں۔

عبد الغنی

۱۴) **ارشاد فرمایا کہ** اس وقت ایک مضمون وارد ہوا ہے، حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ

وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا[۲۷]

ترجمہ: (اور سچ تو یہ ہے کہ) جس کو دین کی فہم مل جائے اس کو بڑی خیر کی چیز مل گئی۔ اس

---

۲۷ البقرة: ۲۶۹

آیت کی تفسیر میں یہ حدیث وارد ہے: مَنْ یُّرِدِ اللّٰہُ بِہٖ خَیْرًا یُّفَقِّھْہُ فِی الدِّیْنِ[۲۸] حق تعالیٰ جس بندے کے ساتھ ارادہ بھلائی کا فرماتے ہیں اس کو دین کی سمجھ عطا فرمادیتے ہیں۔ لفظ خیر اسم تفضیل ہے یعنی دنیا کی تمام نعمتوں سے دینی سمجھ کی نعمت افضل وبرتر ہے اس نعمت کے مقابلے میں دنیا کی کوئی نعمت نہیں۔ میاں (اللہ جل جلالہ) جس سے خوش ہوجاتے ہیں اور جس کو اپنا محبوب اور مقرب بنالیتے ہیں اس کو دین کی سمجھ عطا فرمادیتے ہیں۔ اپنے مقرب بندوں کو دنیا کے خزانے نہیں سونپ دیتے، یہ تو کنکر پتھر ہیں۔

سوزِ غم پروانہ مگس را نہ دہند
ایں دولتِ سرمد ہمہ کس را نہ دہند

اپنی محبت کا غم خاص بندوں کو دیتے ہیں۔ مکھی کو پروانہ کا سوزِ غم نہیں دیا جاتا ہے اس کا مزاج تو غلاظت پسند ہے۔ اسی طرح مردار دنیا کفار و مشرکین کو دی ہے۔

اسی آیت سے مقرب بندوں کی خاص علامت بھی منصوص اور مصرح ہوگئی کہ جس بندے کے پاس دین کی سمجھ ہے سمجھ لو کہ وہ مقرب بارگاہِ حق ہے۔ مقرب اور اُجرت دار ہیں تو دونوں رعیت (عوام)، لیکن قربت اور اُجرت میں زمین اور آسمان کا فرق ہے۔ اس راز کو فرعون جیسا مردود بھی جانتا تھا۔ چناں چہ جب فرعون ملعون سے جادوگروں نے دریافت کیا کہ موسیٰ علیہ السلام کے مقابلے کے بعد ہم کو کیا صلہ ملے گا؟ تو فرعون نے جواب دیا: اِنَّکُمْ اِذًا لَّمِنَ الْمُقَرَّبِیْنَ[۲۹] اس وقت تم لوگ ہمارے مقرب بن جاؤ گے۔ کسی خزانہ وجواہرات کا نام نہیں لیا۔ مقرب ہونا اس قدر بڑی چیز ہے۔ مقرب راز داں وراز دارِ سلطنت ہوتا ہے، مقرب سے بھید کی باتیں کی جاتی ہیں۔ تنخواہ دار خواہ کتنی ہی زیادہ تنخواہ پاتا ہو اس سے رُموزِ مملکت کی گفتگو نہیں کی جاتی۔

مجھے اس وقت ایک بات یاد آئی جو اس مضمون کے بہت مناسب ہے، ایک دفعہ میں نے حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا کہ حضرت درود شریف کے فضائل میں وارد ہے

۲۸؎ صحیح البخاری: ۱۶/۱ (۷۳)، باب من یرد اللہ بہ خیرا... الخ، المکتبۃ المظھریۃ

۲۹؎ الشعرآء: ۴۲

کہ ایک بار درود شریف پڑھنے پر دس نیکیاں ملتی ہیں اور دس گناہ معاف ہوتے ہیں اور دس درجے بلند ہوتے ہیں اور تلاوت قرآن شریف کے اس قدر فضائل وارد نہیں ہیں۔ عجیب جواب ارشاد فرمایا:

بھائی بات یہ ہے کہ یہ سارے فضائلِ درود شریف اُجرت کے تحت میں وارد ہیں اور تلاوتِ قرآن شریف پر ایک ثمرۂ قرب کا انعام عظیم تمام فضائل سے فوقیت رکھتا ہے۔ مقرب کی کوئی تنخواہ نہیں ہوتی لیکن بڑے بڑے تنخواہ دار گورنر و وزرا اس سے کانپتے ہیں اور اپنے اہم اُمور میں سفارشیں کراتے ہیں۔ (انتہٰی)

فقہ فی الدین کی تعریف کیا ہے؟ فقہ نام ہے نفس کے ضرر و نفع کی پہچان کا۔ جس بندے کو دین کی سمجھ دی جاتی ہے تو اس کی عقل نورانی ہو جاتی ہے اس نور کو لیے ہوئے لوگوں میں چلتا پھرتا ہے اور حق و باطل میں تمیز کرتا رہتا ہے۔ ایسے بندوں کو اگر دو چار وقت کا فاقہ بھی ہے، جوتیاں ٹوٹی ہوئی ہیں، کپڑوں میں پیوند پر پیوند لگے ہیں لیکن وہ اپنے اسی پھٹے حال میں خوش رہتے ہیں، مرضئ الٰہی اپنے ساتھ دیکھتے ہیں۔ بس یہ احساس کہ میاں کی مرضی سے یہ سب کچھ ہو رہا ہے ان کے دل پر ہر وقت رحمتی مرہم کا کام دیتا رہتا ہے، اور اس تسلیم و رضا کی برکت سے ان کے قلوب پر ایسے ایسے انوار و تجلیات وارد ہوتے ہیں کہ ان کو وجد آتا ہے؎

کشتگانِ خنجر تسلیم را
ہر زماں غیب جان دیگر است

راہِ حق میں نیم جان دیتے ہیں اور سو جان عطائے حق سے پاتے ہیں؎

نیم جاں بستاند وصد جاں دہد
انچہ درد ہست نہ آید آں دہد

لیکن یہ اُمور واقعاتِ ذوقی اور وجدانی ہیں جو اس راہ میں کام کرنے والے ہوتے ہیں ان ہی کو اس کا ادراک بھی ہو سکتا ہے یہ مَنْ لَّمْ یَذُقْ لَمْ یَدْرِكْ کا مسئلہ ہے۔ یعنی اس مزے کا ادراک بدوں چکھے نہیں ہوتا۔ ایسے بندے بہت کم ہوتے ہیں۔ ان کے بڑے مراتب ہیں، بظاہر تو گدڑی پوش ہیں لیکن بڑے بڑے سلاطین ان کے سامنے بے حقیقت ہیں، ان کی باطنی

نعمت کے سامنے ہفت اقلیم کی سلطنت گرد ہوتی ہے۔ حضرت عارف رومی فرماتے ہیں ؎

ہاں دہانِ ایں دلق پوشاں من اند
صد ہزار اندر ہزاراں یکتن اند

ترجمہ: اے لوگو! خبر دار ہو جاؤ کہ یہ گدڑی پوش ہمارے خاص و مقرب بندے ہیں اور لاکھوں انسانوں میں سے ان کی ایک ذات ہمارے تعلقِ خاص کی برکت سے ایک امتیازی شان رکھتی ہے۔

جس بندے کو دین کی سمجھ کی دولت نہ عطا کی گئی ہو تو اگرچہ ہفت اقلیم اس کے پاس ہو لیکن وہ قلاش و تہی دست (خالی ہاتھ) ہے۔ کیوں کہ آیتِ مذکورہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ کا ارادۂ خیر اس بندے کے ساتھ متعلق نہیں۔ ہاں! ان کی فلاح کی ایک صورت ہے، وہ یہ کہ دین کی سمجھ رکھنے والے کی صحبت اختیار کریں "یا نظر وریا نظر ورجوئے باش" یا تو تم خود صاحبِ نظر ہو اور اگر ایسے نہیں ہو تو کسی اہلِ نظر کی تلاش میں لگ جاؤ۔ ایسے بندوں کی صحبت میں عجیب کیمیا کا اثر ہوتا ہے کہ چند دن کی مجالست و مصاحبت کی برکت سے تمہاری ظلمت زدہ عقل بھی نورانی ہو جائے گی۔ اسی کو حضرت عارف رومی فرماتے ہیں ؎

شیخ نورانی زرہ آگہہ کند
نور را بالفظہا ہمرہ کند

یعنی وہ نورانی شیخ اللہ والا تمہیں اللہ تعالیٰ کے راستے سے آگاہ کرے گا اور اپنے قلب کے انوار کو اپنے الفاظ کے ہمراہ کر کے تمہارے دلوں میں پہنچا دے گا پس چند دن میں تم خود اپنے دل کو بہتر حالت میں پاؤ گے ؎

گر تو سنگ خارا و مرمر بوی
چوں بصاحبِ دل رسی گوہر شوی

اہلِ دل کی برکت سے تمہارا دل نورانی ہو جاوے گا مگر صحبت سے مراد ایک مدت معتدبہ ہے ؎

سالہا باید کہ تا از آفتاب
لعل یابد رنگ ورخشانی وتاب

یعنی جس طرح پتھر کو لعل بننے میں ایک خاصہ وقت درکار ہے چناں چہ آفتاب کی شعاعیں بتدریج اس پتھر پر اثر کرتی رہتی ہیں اور ایک عرصے کے بعد وہ پتھر بفیضِ شعاعِ آفتاب لعل بن کر کس قدر بیش قیمت ہو جاتا ہے۔

اسی طرح شیخ نورانی کا قلب طالب کے قلب پر بحکمِ خدا بتدریج اپنا اثر کرتا رہتا ہے اور کچھ دنوں کے بعد طالب اندر نورانی آثار خود محسوس کرتا ہے۔ وہ اس طرح کہ طاعات کی طرف رغبت اور معاصی سے نفرت ہوتی چلی جاتی ہے۔ اور وہ اپنی اس حالت کو دیکھ کر بے ساختہ کہہ اُٹھتا ہے ؎

کیمیا ایست عجب بندگی پیر مغاں
خاک او گشتم و چندیں درجانم دادند

پیر کامل کی اطاعت عجیب کیمیا ہے کہ چند دن اس کی صحبت پاک میں خاک بن کر رہنے سے کیسے کیسے درجات عطا ہوتے ہیں۔

۱۵) **ارشاد فرمایا کہ** تحمل وقوّت سے زیادہ معمولات (ذکر اور وظائف) سے بھی راستہ بند ہو جاتا ہے۔ ایسے آدمی کا انجام دو حال سے خالی نہیں ہوتا یا تو کچھ دن میں تھک کر سب چھوڑ بیٹھتا ہے جیسا کہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا ہے کہ ”جو شخص قوّت سے کام کرتا ہے وہ آئندہ کچھ کام نہ کرنے کی دعوت دیتا ہے“ (انتہیٰ) اور اگر جبراً قوّت سے زیادہ معمولات ادا کرتا رہا تو کچھ دن کے بعد خشکی اور سوداویت بڑھ جانے سے پاگل ہو جاتا ہے عوام اس کو مجذوب سمجھنے لگتے ہیں اور در حقیقت ایسا شخص خشکی اور سوداویت کا شکار ہو جاتا ہے۔ ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں اس کا بڑا اہتمام تھا کہ طالب سے اس کے مشاغل واوقاتِ فرصت قوت اور ضعف کے متعلق دریافت فرمالیا کرتے تھے پھر اس کی فرصت اور قوت کے مطابق تعلیم فرمادیا کرتے تھے۔ حق تعالیٰ کا ہر بندے کے ساتھ جداگانہ معاملہ ہے کسی کو چوبیس ہزار سے پہنچاتے ہیں کسی کو ایک ہزار سے پہنچاتے ہیں بلکہ بعض وقت ۲۴ ہزار ذکر والا تھک کر راستے ہی میں رہ جاتا ہے اور بے چارہ ایک ہزار ذکر والا لنگڑاتا ہوا منزل تک پہنچ جاتا ہے اسی کو حضرت سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

اے بسا اسپ تیز رو کہ بماند
کہ خرلنگ جاں بمنزل برد

بہت سے تیزرو گھوڑے تھک کر بیٹھ گئے اور گدھا لنگڑا برابر چلتے رہنے کی وجہ سے منزلِ مقصود تک پہنچ جاتا ہے۔ بندہ ضعیف اپنے قلیل عمل پر نادم ہوتا ہے اس کی عاجزی اور اس کا اخلاص میاں کو پسند آجاتا ہے اس کو چوں کہ فکر اور دھن ہوتی ہے حق تعالیٰ اپنا فضل فرمادیتے ہیں۔

دریں راہ حق عجز و مسکینیت
بہہ از طاعت و خویشتن بینیست

حق تعالیٰ کے راستے میں عاجزی و مسکنت اس طاعت سے بہتر ہے جس کے ساتھ خود بینی اور عُجب ہو۔

کبھی قلیل عمل کو بے کار نہ سمجھنا چاہیے بلکہ اگر ناغہ بھی ہو جایا کرتا ہو تب بھی کام کیے جائے سب چھوڑ کر نہ بیٹھ رہے۔

دوست دارد دوست ایں آشفتگی
کوشش بیہودہ بہہ از خفتگی

ہماری یہ آشفتہ حالی میاں کو پسند ہے، ناتمام اور بے ترتیب کوشش بھی بالکل سو جانے سے بہتر ہے۔ حضرت والا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اکثر یہ شعر پڑھا کرتے تھے۔

یا بم او را یا نیا بم جستجوئے میکنم
حاصل آید یا نیاید آرزوئے میکنم

ان کو پاؤں یا نہ پاؤں اپنا کام تو جستجو ہے، مطلوب حاصل ہو یا نہ ہو محبوب کی آرزو رکھتا ہوں۔ جو لوگ بدوں اجازت کسی محقق پیر سے اپنی طرف سے کتابوں کو دیکھ کر ذکر وغیرہ شروع کر دیتے ہیں پس غلبۂ شوق میں اور لذّت ذکر میں اپنی قوت کے اندازے سے زیادہ کام کر کے چند ہی دنوں میں اپنے آپ کو تباہ و برباد کر ڈالتے ہیں جس کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے اللہ تعالیٰ ایسی خود رائی سے اور غیر محقق پیر سے پناہ میں رکھیں۔

۱۶)**ارشاد فرمایا کہ** میں تحزب یا گروہ بندی کو بہت بُرا سمجھتا ہوں۔ یوں تو اپنے پیر سے محبت سب سے زائد ہوتی ہے اور ہونی بھی چاہیے کیوں کہ اس نے دودھ پلایا ہے لیکن اس کے یہ معنیٰ نہیں ہیں کہ دوسرے علماء کی خدمات فراموش کر دی جائیں، حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کوئی اپنے کو قاسمی لکھتا ہے کوئی رشیدی لکھتا ہے کوئی کچھ کوئی کچھ، یہ کیا واہیات بات ہے، دین میں یہ تحزب کیوں ہے ۔

بندۂ عشق شدی ترک نسب کن جامی
کہ دریں راہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست

ہزار خویش کہ بیگانہ از خدا باشد
فدائے یک تنِ بیگانہ کاشنا باشد

جو اللہ کا ہے وہ ہمارا ہے، جو ان کا نہیں وہ ہمارا نہیں اگرچہ اپنا ہی کیوں نہ ہو وہ غیر و بیگانہ ہے۔ جو اپنے ہم عقیدہ و ہم مشرب ہیں سب ایک ہیں، دیوبندی میں گروہ بندی کیسی۔ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا مقولہ حضرت والا اکثر نقل فرمایا کرتے تھے پیر مطلوب نہیں اللہ مطلوب ہے، اپنا بندہ نہیں بنانا چاہیے اللہ کا بندہ بنانا چاہیے۔ اہلِ حق کے جتنے بھی سلسلے ہیں سب اپنے ہیں البتہ علاج و معالجہ یعنی اصلاحِ نفس کے لیے رذائل کی اطلاع اور تجویز پر اتباع کا تعلق صرف اپنے مصلح و معالج سے ہونا چاہیے باقی جہاں روئے زمین پر اللہ والا مل جائے جس کی صحبت سے طاعات میں رغبت اور گناہوں سے نفرت محسوس ہو تو ایسی صحبت کو غنیمت سمجھنا چاہیے، آج کل گروہ بندی کا یہ مرض عام ہو رہا ہے، حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ گروہ بندی سے شیرازہ بکھر جاتا ہے اس میں نفس کا چھپا ہوا کید ہوتا ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو محفوظ فرمائیں۔ (آمین)

۱۷)**ارشاد فرمایا کہ** محض وظائف سے یہ راستہ نہیں طے ہوتا، مجاہدے کی بھی ضرورت ہے۔ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ [۳۰] جس طرح مامور بہ ہے

---

۳۰ الانفال:۴۵

اسی طرح وَجَاهِدُوْا فِي اللهِ حَقَّ جِهَادِهٖ [٣١] بھی مامور بہ ہے۔ ایسی کوشش کا مطالبہ ہے کہ کوشش کا حق ادا ہو جائے۔ "مجاہدۂ نفس" ذکر کا معین ہے جس طرح معالج دوا کے ساتھ پرہیز بھی تجویز کرتا ہے، پرہیز کرنے سے دوا کا اثر ظاہر ہوتا ہے اسی طرح ذکر کے نافع ہونے کے لیے معاصی سے پرہیز ضروری ہے، مثلاً راستہ چل رہا ہے کسی ایسے شخص کا سامنا ہو گیا جس کا دیکھنا شرعاً ممنوع ہے نفس نے چاہا کہ اس کو دیکھ لیں اس وقت سوچ و فکر سے کام لے ایک طرف تو اللہ کا حکم ہے کہ آنکھیں نیچی کرلو، دوسری طرف نفس و شیطان کا اغوا ہے اگر سالک راہ ہے تو حق تعالیٰ کے ارشادِ پاک قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ [٣٢] پر عمل کرتا ہے اور نگاہ نیچی کر کے گزر جاتا ہے اور نفس سے خطاب کر کے کہتا ہے کہ اے نفس! تو میرا پالنے والا نہیں تو میرا خالق نہیں، جو مجھے کھانا کپڑا دیتا ہے جس کی زمین و آسمان میں رہتے ہیں جو میرا خالق و مالک ہے جس کا میں غلام بندہ ہوں اس کی اطاعت کروں یا تیری؟ کسی نے خوب کہا ہے ؎

بقول دشمن پیمان دوست بشکستی
ببیں کہ از کہ بریدی و با کہ پیوستی

دشمن (نفس و شیطان) کے کہنے سے تو نے دوست کی عہد شکنی کی، غور کر کہ کس سے رشتہ توڑا اور کس سے رشتہ جوڑا۔ سالکِ طریق اسی طرح اپنے نفس کو سمجھا دیتا ہے اور خواہشاتِ نفس کو پیشی کے دن کے خوف سے روک دیتا ہے اور فوراً قلب میں ایمان کی لذّت پاتا ہے۔ یہ حق تعالیٰ اپنی طرف سے انعام عطا فرماتے ہیں کہ میرے بندے نے میری رضا کے لیے اپنی محبوب لذّت کو ترک کیا ہے یہ انعام تو دنیا ہی کی زندگی میں اسی وقت دیتے ہیں، اور یہ لذّت ایسی ہوتی ہے کہ اس کے سامنے ہفت اقلیم کی لذّت بھی گرد ہے اور آخرت میں نہ جانے کیسے کیسے انعامات سے نوازیں گے۔ خلاف مرضئ الٰہی سے نفس کو روک دینا یہی اس وقت مجاہدہ کہلاتا ہے بغیر اس مجاہدے کے محض وظائف سے کام نہیں چلتا ہے۔ سالک اپنے ہر عضو کو گناہوں

---

٣١ الحج: ٧٨

٣٢ نور: ٣٠

سے محفوظ رکھتا ہے اگر کبھی چوک ہو جاتی ہے فوراً توبہ و گریہ وزاری سے تدارک کرتا ہے، ان ہی لوگوں کے لیے وعدہ ہے:

وَالَّذِیْنَ جَاھَدُوْا فِیْنَا لَنَھْدِیَنَّھُمْ سُبُلَنَا ۚ وَاِنَّ اللّٰہَ لَمَعَ الْمُحْسِنِیْنَ[۳۳]

ترجمہ: اور جو لوگ ہماری راہ میں مشقتیں برداشت کرتے ہیں ہم ان کو اپنے (قرب و ثواب یعنی جنّت کے) راستے ضرور دکھلا دیں گے اور بے شک اللہ تعالیٰ (کی رضا اور رحمت) ایسے خلوص والوں کے ساتھ ہے۔

صاف اس آیت سے ظاہر ہے کہ بدوں مجاہدۂ نفس کے یہ راستہ کھلتا نہیں، ہر چیز کے اندر جب مرضئ نفس اور مرضئ حق کا تقابل ہو تو نفس کو وہاں سے ہٹا دے پھر راستہ صاف ہو جاتا ہے، چند دن مجاہدے کی ضرورت ہوتی ہے پھر تو حق تعالیٰ حقیقت منکشف فرما دیتے ہیں۔ چند دن مشقت کے بعد بُرائیوں سے نفرت ہونے لگتی ہے، گناہ سے بچنا بہت آسان ہو جاتا ہے۔ ہمیشہ کے لیے یہ اُلجھن نہیں رہتی ہے۔ چند روز جہد کن باقی جند۔ اب اگر کوئی یہ اشکال کرے کہ جب بعد میں مجاہدے کی ضرورت نہیں رہتی معاصی سے نفرت ہو جاتی ہے تو پھر اجر کیا ملتا ہوگا۔ کیوں کہ اجر کا وعدہ مجاہدے پر ہے اور مجاہدہ باقی نہ رہا۔ تو اس کا جواب حضرت رحمۃ اللہ علیہ یہ فرمایا کرتے تھے کہ یہ آسانی چوں کہ مجاہدہ اولیٰ ہی کا ثمرہ ہے اس لیے وہی مجاہدہ اولیٰ حکماً یہاں بھی ممتد (ثابت) ہو جاوے گا اور اجر ہمیشہ اسی طرح ملتا رہے گا۔

۱۸) **ارشاد فرمایا کہ** دن رات تو کٹ ہی جاتے ہیں، فرماں برداروں کے دن رات بھی کٹ جاتے ہیں، نافرمانوں کے دن رات بھی کٹ جاتے ہیں، تو جب ہمیں دنیا کے دن رات کاٹنے ہی ہیں تو فرماں برداری ہی کے ساتھ کیوں نہ کاٹیں۔ دنیا تو ایک خواب و خیال ہے، مولانا فرماتے ہیں ؎

شب ز زنداں بے خبر زندانیاں
شب ز دولت بے خبر سلطانیاں

رات میں قیدی اپنی اسیری سے اور سلاطین اپنی سلطنت اور دولت سے بے خبر سو رہے ہیں

[۳۳] العنکبوت: ۶۹

ایک قیدی اور ایک بادشاہ ادراکِ عقوبت اورادراکِ نعمت سے بے خبری میں یکساں وبرابر ہو جاتے ہیں۔ ہر شب کو ہماری زندگیٔ بے خوف کا ایک نمونہ گزر جاتا ہے لیکن ہم عبرت حاصل نہیں کرتے، مگر عقل والوں کے لیے رات ودن کے پے درپے آنے جانے میں کھلی عبرت اور نشانیاں موجود ہیں۔ فرماتے ہیں:

وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ[۳۴]

دیکھتے دیکھتے زندگی گزرتی چلی جاتی ہے۔ یہی رات ودن کا آنا جانا ہماری عمر کی مقراض (قینچی) ہے جس کو مولانا فرماتے ہیں۔

اطلس عمرت بمقراض شہود
پارہ پارہ کرد خیاط غرور

خواجہ صاحب نے اسی مضمون کو اُردو میں فرمایا ہے۔

ہو رہی ہے عمر مثل برف کم
رفتہ رفتہ چپکے چپکے دم بہ دم

پس انسان کو چاہیے کہ عمر عزیز کی قدر کرے اور اس کو ضایع نہ کرے۔ عمر عزیز کی قدر اسی وقت ہوگی جب اس کو یادِ عزیز میں صرف کیا جائے یعنی حق تعالیٰ کی یاد میں لگ جائے۔ عزیز چیز کا مصرف بھی عزیز ہی ہونا چاہیے۔ نفس چاہتا ہے اپنے مزے کو اور اللہ چاہتا ہے اپنی غلامی کو۔ جو مردانِ خدا ہیں ان کے سامنے تو نفس کُتّی کی کیا مجال ہے کہ سامنے آئے، وہ غور کرتے ہیں، عقل سے کام لیتے ہیں کہ نفس ہم سے قریب تر ہے یا اللہ کی ذات، بظاہر تو ہم کو نفس قریب معلوم ہوتا ہے۔ لیکن ہماری عقل ہے کیا؟ خالقِ تعالیٰ کا ارشاد جو ہے وہی صحیح ہے، فرماتے ہیں: نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ[۳۵] ارے ہم تو تمہاری رگِ جاں سے بھی قریب تر ہیں۔ پس حق تعالیٰ کا حق جو ہمارے اوپر ہے، نفس کے حق پر تعارض وتقابل کے وقت بالاتر اور راجح ہو گیا۔ ایک بزرگ کا واقعہ یاد پڑا، اکیلے بیٹھے تھے کوئی پاس نہ تھا اور کہہ

۳۴؎ اٰل عمرٰن: ۱۹۰
۳۵؎ قٓ: ۱۶

رہے تھے نہ تو میرا خدا اور نہ میں تیرا بندہ تو تیرا کہنا مانوں کیوں؟ لوگوں میں اس جملے کی شہرت ہوئی۔ قاضی کے پاس پکڑ بلائے گئے، احتساب ہوا کہ کس کو مخاطب کر کے کہتے ہو؟ فرمایا بھائی! تم نے بات کام کی پوچھی۔ اس سوال سے میرا دل خوش ہوا، یہ سوال کسی نے اب تک نہ کیا تھا۔ بات یہ ہے کہ میں اپنے نفس کی ایک خواہش پر جو حق تعالیٰ کی مرضی کے خلاف تھی، اس کو جواب دے رہا تھا کہ اے نفس! تو میرا خدا نہ میں تیرا بندہ پھر تیرا کہنا مانوں کیوں؟ واقعی حق تعالیٰ اپنے خاص بندوں کو دین کی بڑی سمجھ عطا فرما دیتے ہیں۔ کپڑوں میں پیوند لگے، میلے کچیلے بھی ہیں دنیا میں ان کو کوئی نہیں پوچھتا ہے، مگر ایک لگاؤ ہے اپنے اللہ سے، اس لذّت نے تمام تلخیاں شیریں کر دی ہیں۔

گدایاں از پادشاہی نفور
بامیدش اندر گدائی صبور

دمادم شراب الم در کشند
و گر تلخ بینند دم در کشند

حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

بھوک اپنی ہے غذا، پیاس ہے اپنا پانی

یہ اس پھٹے حال میں حیاتِ طیبہ لیے ہوئے ہیں۔ حیاتِ طیبہ میں جنّت کی مہک ہوتی ہے، میاں جس کو یہاں جنّت کی خوشبو سونگھا دیں گے وہاں بھی محروم نہ کریں گے۔ ابنِ ماجہ شریف میں ہے کہ ایسے بندے ہدایت کے چراغ ہوتے ہیں۔

۱۹) **ارشاد فرمایا کہ** ہمارے اُستاد قاری علی حسین خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ رامپوری کی شان عجیب تھی۔ کبھی نہ دیکھا کہ ان کے جسم پر پائجامہ کرتا اور ٹوپی تینوں سفید ہوں۔ کرتا سفید ہے تو پائجامہ میلا ہے۔ پائجامہ سفید ہے تو کرتا میلا ہے۔ جذب غالب تھا۔ تمام فنون میں قاری عبد الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ پانی پتی کے شاگرد تھے اور قاری عبد الرحمٰن صاحب شاگرد تھے حضرت شاہ اسحاق صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے، اس سلسلے کی وجہ سے میری سند کا سلسلہ بہت اُونچا ہو جاتا ہے یعنی حضرت شاہ اسحاق صاحب کے اور میرے

درمیان میں صرف قاری علی حسین صاحب اور قاری عبد الرحمٰن صاحب کا واسطہ ہوتا ہے۔ قاری علی حسین صاحب سے میں نے مسلم شریف پڑھی تھی۔

۲۰) **ارشاد فرمایا کہ** درود شریف میں كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰی اِبْرَاهِيْمَ اور آیتِ کریمہ فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ [۳۶] سے بظاہر یہ شبہ ہوتا ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم مشبہ اور تابع ہیں اور ابراہیم علیہ السلام مشبہ بہ اور متبوع ہیں تو اس سے آپ کی مفضولیت اور حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی افضلیت ثابت ہوتی ہے۔

ان شبہ ظاہری کا جواب یہ ہے کہ مشبّہ بہ کا مشبہ پر افضل ہونا مجموعی حیثیت سے ضروری نہیں ہے۔ کیوں کہ تشبیہ بعض وجوہات میں دی جاتی ہے نہ کہ من کل الوجوہ (یعنی ہر اعتبار سے) اس کے بہت سے نظائر ہیں کہ مشبہ بہ فی الواقع مشبہ سے افضل نہیں ہے مگر کسی خاص سبب سے مشارکت کے سبب سے یا توضیح کے لیے تشبیہ دے دیتے ہیں۔ یہاں رحمتِ حق میں مشبہ اور مشبہ بہ کی مشارکت مقصود ہے۔ نیز كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰی اِبْرَاهِيْمَ سے اس وقت کے کفار کو مانوس کرنا تھا اور ان کی تالیفِ قلب مقصود تھی۔ کیوں کہ کفار بالاتفاق حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مانتے تھے، یہ تو كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰی اِبْرَاهِيْمَ کے شبہ کا حل ہے، اور فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ میں جو شبہ ہوا اس کا حل یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام متفق علیہ نبی تھے، یہودی اور نصرانی مشرکین سبھی آپ کو بالاتفاق پیشوا مانتے تھے۔ اس وجہ سے آپ کو ان کی اتباع کا امر ہوا تا کہ طبائع مختلفہ آپ کی طرف اتباع کے لیے راغب اور مانوس ہوں اور آپ کی نبوت ورسالت کو نئی چیز سمجھ کر وحشت زدہ نہ ہوں، اس کا نام خطابت ہے۔ چناں چہ ایسے عنوان کا دوسری جگہ صراحتاً اعلان کا حکم ہوا: قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ اے رسول! آپ فرما دیجیے کہ میں کوئی انوکھا رسول نہیں ہوں۔ یعنی رسول تو ہمیشہ پچھلی اُمّتوں کی اصلاح کے لیے حق تعالیٰ کی طرف سے مبعوث ہوتے رہے ہیں، میرا رسول ہو کر مبعوث ہونا یہ کوئی نئی بات نہیں ہے جس سے تم کو وحشت ہو۔ خطابت میں تاثیر کے لیے طبائع کا لحاظ ضروری ہوتا ہے۔ حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّ لَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ

۳۶۔ اٰل عمرٰن: ۹۵

كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ [۳۷]

اس آیت میں یہ فرمانا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نہ یہودی تھے نہ نصرانی نہ مشرکین سے تھے یہ قطعی دلیل ہے کہ مخاطبین کے عقائد حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق اپنے زعم باطل میں ایسے ہی تھے۔ اور یہاں اتباع سے مراد ظاہر ہے کہ اتباع فی الرسالت نہیں ہے، کیوں کہ آپ تو سید المرسلین ہیں، یہاں محض وحدانیت کی اتباع مراد ہے۔

۲۱) **ارشاد فرمایا کہ** حضرت ابراہیم علیہ السلام کا لقب خلیل اللہ تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں حبیب اللہ ہوں۔ مقامِ خلّتہ بظاہر محبوبیت سے بڑھا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ یہ ایک ظاہری شبہ ہے۔ جس کا جواب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کو حبیب اللہ بھی فرمایا ہے اور اپنے کو اَنَا سَيِّدُ وُلْدِ اٰدَمَ [۳۸] بھی فرمایا ہے۔ اس مقدمہ کو پیش نظر رکھنے کے بعد یہ شبہ نہیں ہو سکتا ہے۔ آپ کی محبوبیت کی شان، شان سیادت علٰی ولد اٰدم کے ساتھ ملا کر دیکھنا چاہیے۔ ایسی محبوبیت ہے کہ ختمِ نبوت کے انعام سے مشرف ہے۔ اب نہ کسی قریہ میں کوئی نبی ہو گا نہ کسی ملک میں کوئی نبی ہو گا ؎

شرکتِ غم بھی نہیں چاہتی غیرت میری

سارے عالم کے لیے آپ کو نبی بنا کر مبعوث فرمایا گیا، قیامت تک کوئی نبی نہ آوے گا، ختمِ نبوت کی نعمت سے نوازنا آپ کے عظیم ترین اور محبوب ترین شخصیت ہونے کی بیّن دلیل ہے۔ حبیب صیغۂ مبالغہ ہے، حبیب کے جس قدر مصادیق ہوسکتے ہیں آپ اس کلی کے فرد کامل واکمل ہیں، اس سے دوسرے انبیاء علیہم السلام کا حبیب ہونا بھی ثابت ہو جاتا ہے اور آپ کی شانِ خصوصیت بھی ثابت ہو جاتی ہے۔ نیز یہ کہ تمام انبیاء علیہم السلام نے آپ کی خلافت میں کام کیا تھا ؎

حسنِ یوسف دمِ عیسیٰ ید بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

۳۷؎ اٰل عمرٰن: ۶۷

۳۸؎ جامع الترمذی: ۲/۱۴۵، باب التفسیر سورۃ بنی اسرائیل، ایچ ایم سعید

۲۲) **ارشاد فرمایا کہ** اگر کسی کے اندر دین کی پیاس ہی نہ ہو تو ایسے لوگوں کو بھی مایوس نہ ہونا چاہیے۔ اللہ والوں کی صحبت میں جس طرح طالبین صادقین فیض یاب ہوتے ہیں اسی طرح وہ لوگ جن کے قلوب دین کی طلب اور پیاس سے خالی ہیں ان کو اللہ والوں کی صحبت سے دین کی پیاس اور طلب بھی عطا ہوتی ہے۔ یہ نہ سوچنا چاہیے کہ جب ہمارے اندر دین کی طلب صادق نہیں ہے تو ہم کو اللہ والوں کے یہاں کیا ملے گا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے مقبول بندوں کی صحبت میں پارس پتھر کا اثر رکھا ہے اور پارس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ لوہا جب اس سے چھو جاتا ہے تو فوراً سونا بن جاتا ہے۔

۲۳) **ارشاد فرمایا کہ** شیخِ محقق طالب کے ہر قول و فعل پر، اس کے لب و لہجے پر، اس کے ہر ایک لفظ پر نگاہ رکھتا ہے، جدھر سے تکبر اور نخوت کی ابھری ہوئی رگ دیکھتا ہے وہیں رگڑ دیتا ہے۔ طالب کی چال سے، اس کے اُٹھنے بیٹھنے سے، اس کے اندازِ گفتار سے وہ دل کے روگ کو ٹٹول لیتا ہے کہ اس موقع پر اس کے الفاظ تکبر اور نخوت کا پتا دیتے ہیں۔ اس موقع پر اس کی یہ حرکت ریاکاری کے لیے ہوئی۔ اس موقع پر اس نے یہ حرکت لوگوں میں بڑا بننے کے لیے کی ہے۔ سچا پیر مرید کی ان نفسانی چالوں کو رگڑتا ہے۔ کبھی ڈانٹتا ہے۔ کبھی ملفوظات میں اس عیب کی تشریح اور اس کا معالجہ بتاتا ہے کہ دیکھیں اس کے اندر کتنی استعداد ہے، آیا یہ اپنا مرض اس خطاب عام سے سمجھ لیتا ہے یا نہیں، چند بار انتظار کرتا ہے اگر سمجھ گیا اور اصلاح میں لگ گیا تو خیر ورنہ پھر رنگِ عتاب اختیار کرتا ہے اور براہ راست ڈانٹ ڈپٹ کرتا ہے، اسی طرح رگڑتے رگڑتے ایک دن یہ بن جاتا ہے، اسی کا نام پائمال کرنا ہے۔

قال رابگزار و مرد حال شو
پیش مرد کامل پامال شو



آئینہ بنتا ہے رگڑے لاکھ جب کھاتا ہے دل
کچھ نہ پوچھو دل بہت مشکل سے بن پاتا ہے دل

(خواجہ صاحب مجذوب رحمۃ اللہ علیہ)

جب آدمی بنتا ہے تو وہ اپنے کو بنتا ہوا نہیں سمجھتا ہے اس کی سمجھ میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص لگاؤ کی برکت سے نور آجاتا ہے اس روشنی میں اب اپنی ہر حرکت میں نفس کی چالوں کو دیکھتا رہتا ہے کہ نفس کا سانپ ہر سوراخ سے ڈسنے کی کوشش کر رہا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ لوگ تو اس کو ولی سمجھتے ہیں اور یہ اللہ کے خوف سے ہر وقت لرزاں و ترساں ہے کہ مرنے کے بعد معلوم نہیں میرے ساتھ حق تعالیٰ کیا معاملہ فرمائیں گے۔ اسی سمجھ بوجھ کا نام نور ہے۔ جس کو اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ [۳۹]

اسی نور کو لیے لوگوں میں چلتا پھرتا ہے، اچھے اور بُرے ہر ایک کے ساتھ اس کا معاملہ پڑتا رہتا ہے لیکن اسی نور کی برکت سے اللہ تعالیٰ کی مرضی پر ثابت قدم رہتا ہے۔ یہ راہ عجیب ہے اس میں جو جس قدر بنتا جاتا ہے اسی قدر وہ اپنے کو سب سے بدتر اور کمتر اور ہر وقت اپنے کو گناہ گار اور بگڑا ہوا سمجھتا ہے، اور راز یہ ہے کہ عظمتِ الٰہیہ جس قدر سامنے ہوتی ہے اسی قدر ان انوار عزتِ الٰہیہ کے سامنے اپنے کو ہیچ در ہیچ سمجھتا ہے اور اللہ کا خوف روز روز اس کے دل میں بڑھتا ہے، اور جو اپنے کو کچھ سمجھتا ہے وہ اس راہ میں بالکل کورا ہوتا ہے۔

خواجہ پندار کہ دارد حاصلے
حاصل خواجہ بجز پندار نیست

(۲۴) **ارشاد فرمایا کہ** تسبیح اور تحمید کے بعد استغفار زیادہ قبول ہوتا ہے اس کو میں نے سورۂ نصر سے سمجھا ہے: فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا [۴۰] میں حق تعالیٰ نے تسبیح اور حمد کو استغفار سے مقدم فرمایا ہے۔

(۲۵) **ارشاد فرمایا کہ** قرآنِ پاک میں قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ [۴۱] میں جہالت سے پناہ نہیں طلب کی گئی ہے بلکہ جاہلین میں ہونے سے پناہ مانگی

۳۹؎ الانعام:۱۲۲
۴۰؎ النصر:۳
۴۱؎ البقرۃ:۶۷

گئی ہے۔ اس میں ایک بات سمجھ میں آئی ہے جس کو ایک مثال سے سمجھاتا ہوں۔ سنکھیا ایک زہر قاتل ہے اس کی یہ خاصیت طب کی کتابوں میں درج ہے۔ ایک تو اس کی خاصیت کتاب میں پڑھ لینا دوسرے یہ کہ کوئی شخص سنکھیا کھا کر شدید کرب و بے چینی کے عالم میں کروٹیں بدل رہا ہو اور تڑپ تڑپ کر موت کے گھاٹ اتر رہا ہو اس وقت اس کی اس شدید بے چینی اور دردناک تکلیف دیکھ کر طبعی طور پر تقاضا پیدا ہوگا کہ اس حالت سے پناہ مانگے اور اس وقت یہ نہ کہے گا کہ اللہ سنکھیا سے پناہ چاہتا ہوں بلکہ یوں کہے گا کہ اے اللہ اس حالت سے پناہ چاہتا ہوں کیوں کہ سنکھیا کے زہر کے اثرات اُس شخص پر ظاہر ہو رہے ہیں اس کی خاصیت کا مشاہدہ سامنے موجود ہے۔ یہ سنکھیا طب کی کتابوں اور دواخانوں میں جب تک تھا طبیعت پر اس سے پناہ مانگنے کا کوئی تقاضا نہ تھا لیکن جب سنکھیا خوردہ کو سامنے تڑپتا ہوا دیکھ لیا تو فوراً پناہ مانگنے کا تقاضا پیدا ہوا، یہی صورت یہاں جہالت کے زہر سے پناہ مانگنے کی ہے، جہالت کا زہر جب سرایت کرتا ہے تو کہیں شرک کہیں کفر کہیں نیچریت کہیں قادیانیت کہیں رضا خانیت کی شکل میں اس کا ظہور ہوتا ہے۔ چناں چہ یہودیوں کا تمسخر درحقیقت جہالت کا زہر تھا جس سے اُن کی زبانیں اور ان کے اعضاء معذب تھے۔ بُرائی کا زہر بُروں پر بُرے اعمال کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ان جاہلوں کے عمل میں جہالت کا جو عذاب تھا منکشف ہو گیا تو عرض کیا: **اَعُوْذُ بِاللّٰہِ اَنْ اَکُوْنَ مِنَ الْجٰھِلِیْنَ** اے اللہ! میں پناہ مانگتا ہوں اس بات سے کہ میں جہالت کے اعمال کرنے والوں میں سے ہو جاؤں۔

۲۶) **ارشاد فرمایا کہ** حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے: **نِعْمَ الْاَمِیْرُ عَلٰی بَابِ الْفَقِیْرِ وَبِئْسَ الْفَقِیْرُ عَلٰی بَابِ الْاَمِیْرِ** یعنی وہ امیر اچھا ہے جو فقیر کے دروازے پر اس کے فقر سے استفادے کے لیے حاضر ہو اور بُرا ہے وہ فقیر جو کسی امیر کے دروازے پر اس کی امارت سے استفادے کے لیے حاضر ہو۔

۲۷) **ارشاد فرمایا کہ** کھانوں میں نمک کا صحیح اندازہ کرنے کے لیے ایک کلیہ مجھے معلوم ہے جس کا جی چاہے اس پر عمل کر کے دیکھ لے یعنی ایک سیر چاول میں ایک تولہ

نمک پلاؤ کے لیے، اسی طرح ایک سیر گوشت میں ایک تولہ نمک، ایک سیر دال میں ایک تولہ نمک، اس قاعدے سے خواہ ایک من گوشت پکانا ہو تو کوئی دقت نمک ڈالنے میں پیش نہ ہوگی۔ چالیس سیر کا من ہوتا ہے پس فی سیر ایک تولہ نمک ڈال دینا کافی ہے۔

۲۸) **ارشاد فرمایا کہ** حاجی عبد الستار صاحب جو میرے پیر بھائی تھے ان کو سفر حج میں واجد علی شاہ کا ایک باورچی ملا جو بہت بوڑھا ہو گیا تھا اس نے اس کو کھانا پکانے کے لیے ایک عجیب چیز بتائی جس کا میں نے تجربہ کیا تو بہت عمدہ پایا۔ اس نے کڑوے تیل کو گھی بنانے کا ایک قاعدہ بتایا اور اس قاعدے سے بالکل نہیں پتا چلتا ہے کہ یہ کڑوا تیل ہے، اس کڑوے تیل سے پلاؤ بریانی جو چاہیں پکالیں کسی کو تمیز نہیں ہو سکتی کہ یہ گھی نہیں ہے، اعظم گڑھ میں ہمارے پیر بھائی مولوی مسعود علی صاحب ندوی شبلی منزل کے ہمارے یہاں مہمان ہوئے تو میں نے اسی طرح کڑوے تیل سے پلاؤ پکوا کر کھلایا، مولوی صاحب حالاں کہ کھانے پینے میں بہت لطیف المزاج ہیں لیکن ان کو بھی پتا نہ چلا کہ یہ کڑوے تیل سے پکایا گیا ہے بعد میں ان کو جب میں نے بتایا تو ان کو بہت تعجب ہوا۔ اب اس کا طریقہ بھی سن لو مثلاً ایک سیر کڑوے تیل کو گھی بنانا ہے تو سیر کڑوے تیل خالص کو پہلے خوب جوش دیا جائے جب جوش آجائے تو اس میں ایک تولہ گڑ ڈال کر چھان لیں پھر اس میں دو عدد لیموں کاغذی کا عرق نچوڑ دیں پھر ایک تولہ پیاز جو پہلے ہی سے کتری ہوئی رکھی ہو فوراً ڈال دیں جب پیاز سرخی مائل ہو جائے تو پیاز کو نکال لیں اور ایک پاؤ خالص گھی ڈال دیں اب سب مل کر سوا سیر گھی تیار ہو گیا جو چیز اس سے چاہیں پکائیں کسی کو تمیز نہیں ہو سکتی کہ یہ تیل کا پکا ہوا کھانا ہے۔

ملفوظ ملقب بر فع الضیق

رفع القبض یعنی تنگی و پریشانی کا علاج

۲۹) **ارشاد فرمایا کہ** جملہ پریشانیوں کا علاج حق تعالیٰ شانہ کی پاکی بیان کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتے ہیں:

وَ لَقَدۡ نَعۡلَمُ اَنَّکَ یَضِیۡقُ صَدۡرُکَ بِمَا یَقُوۡلُوۡنَ ﴿۹۷﴾ فَسَبِّحۡ بِحَمۡدِ رَبِّکَ وَ کُنۡ مِّنَ السّٰجِدِیۡنَ ﴿۹۸﴾ وَ اعۡبُدۡ رَبَّکَ حَتّٰی یَاۡتِیَکَ الۡیَقِیۡنُ ﴿۹۹﴾ [۴۲]

ترجمہ: ”اور واقعی ہم کو معلوم ہے کہ یہ لوگ جو باتیں کرتے ہیں اس سے آپ تنگ دل ہوتے ہیں سو آپ اپنے پروردگار کی تسبیح و تحمید کرتے رہیے اور نمازیں پڑھنے والوں میں رہیے اور اپنے رب کی عبادت کرتے رہیے یہاں تک کہ آپ کو موت آجاوے“۔

ان آیتوں کے اندر طریق کے بہت سے مسائل بتائے گئے ہیں ایک تو یہ کہ انبیاء علیہم السلام بھی اُمورِ طبعیہ یعنی اسبابِ رنج اور خوشی سے متاثر ہوتے ہیں، اور یہ طبعی تاثر منافی کمال نہیں ہے بلکہ اس تاثر کے باوجود ان کی استقامت ان کی مقبولیت اور رفعتِ شان کی دلیل ہوتی ہے اور اُمّت کے لیے ان کا صبر و تحمل ہدایت کا سبب ہوتا ہے۔ وَ لَقَدۡ نَعۡلَمُ اَنَّکَ یَضِیۡقُ صَدۡرُکَ بِمَا یَقُوۡلُوۡنَ کی آیت دلیل ہے اس امر کی کہ اُمور طبعیہ سے بے حس ہو جانا کوئی کمال نہیں ہے کیوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کون اکمل ہو سکتا ہے اور آپ کا کفار کے ناشائستہ اقوال سے تنگ دل ہونا اس آیت میں بیان فرمایا گیا ہے، اس میں رد ہے ان جہلاء صوفیا کا جو خلافِ طبیعت اُمور سے متاثر ہو جانے کو کمال کے خلاف سمجھتے ہیں البتہ بعض بزرگوں پر کبھی غلبۂ حال کی وجہ سے بعض ناگوار طبع باتوں کا تاثر نہیں ہوتا ہے لیکن یہ مغلوب الحال ہونا طریق میں کوئی کمال نہیں ہے مذموم بھی نہیں ہے کیوں کہ حالات کا غلبہ امر غیر اختیاری ہے اور اُمور غیر اختیاریہ کو کمال اور نقص سے کوئی تعلق نہیں ہوتا ہے۔ واضح ہونا چاہیے کہ کمالِ عبدیت کا معیار باعتبار قربِ مناسبتِ مزاجِ نبوت کے ہے جس کو جس قدر سنّتِ نبویہ سے قرب ہوگا اسی قدر اس کی عبدیت میں کمال ہوگا کیوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کسی کو عبدیتِ کاملہ میسر ہو ہی نہیں سکتی اور ان آیتوں میں حق تعالیٰ نے اپنے محبوب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے جو نسخہ رفعِ تنگی اور پریشانی کا بیان فرمایا ہے وہی اُمّت کے لیے بھی اکسیر ہے، وہ نسخہ کیا ہے؟ تسبیح اور تحمید کی کثرت اور نماز کے ذریعے استعانت طلب کرنا، اور حق تعالیٰ کی عبادت میں استقامت کے ساتھ لگے رہنا یہاں تک کہ وہ یقینی چیز یعنی موت

---

[۴۲] الحجر: ۹۷-۹۹

آ جائے، اس میں تنبیہ ہے ان نادان سالکین کے لیے جو پریشانیوں سے گھبرا کر معمولات ترک کر بیٹھتے ہیں اور معمولات شروع کرنے کے لیے اطمینان کا انتظار کرتے ہیں۔ ان آیتوں میں حق تعالیٰ نے عین اضطراب اور تنگی و پریشانی کی حالت میں اپنے محبوب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو پابندی تسبیح و تحمید و نماز اور استقامت کے ساتھ عبادت میں لگے رہنے کا امر فرما کر اُمّت کو یہ سبق سکھا دیا کہ مصیبتوں میں طاعات اور معمولات میں سستی نہ کرنا چاہیے بلکہ اور استقامت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی یاد میں لگ جانا ہی تمام پریشانیوں کا شافی علاج ہے۔ یہی راز ہے **فَفِرُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ**[۴۳] کا یعنی بھاگ کر اپنے اللہ کے پاس آ جاؤ۔ اللہ کی طرف دوڑ کر آنے کا مطلب یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی یاد میں لگ جاؤ یہی جملہ پریشانیوں کا علاج ہے۔ حق تعالیٰ نے اپنی یاد میں چین اور اطمینان کی خاصیت رکھی ہے۔ فرماتے ہیں: **اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَىِٕنُّ الْقُلُوْبُ**[۴۴] خوب سُن لو! اے میرے بندو کہ تمہارے دلوں کو اطمینان صرف میری یاد سے میسر ہو گا۔ ہم دلوں کے خالق ہیں اور دلوں کی خوراک ہم بتاتے ہیں کہ دلوں کی غذا صرف ہماری یاد ہے۔ جس قدر ذکر کامل ہو گا اسی قدر اطمینان کامل نصیب ہو گا، ذکر اللہ میں کیفاً اور کماً جس قدر کمی ہو گی اسی قدر اطمینان میں کمی ہو گی۔ ہمارے خواجہ صاحب نے خوب فرمایا ہے ؎

کسی کو ہم نے آسودہ نہ زیر آسماں پایا
بس اک مجذوب کو اس غمکدہ میں شاداں پایا
غموں سے بچنا ہو تو آپ کا دیوانہ بن جائے

حضرت رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

آزمودم عقل دور اندیش را
بعد ازیں دیوانہ سازم خویش را

عاشقم من بر فن دیوانگی
سیرم از فرہنگ و از فرزانگی

۴۳؎ الذٰریٰت: ۵۰
۴۴؎ الرعد: ۲۸

نعرۂ مستانہ خوش می آیدم
تا ابد جاناں چنیں می بایدم

(۳۰) **ارشاد فرمایا کہ** حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق نمازِ اشراق کے بارے میں یہ ہے کہ جب آفتاب کی ٹکیہ اُفق سے باہر آجائے یعنی اس کا پورا دائرہ آسمان پر نظر آجائے تو نمازِ اشراق کا وقت ہو گیا۔

(۳۱) **ارشاد فرمایا کہ** نمازِ اشراق پڑھ لینے کے بعد فوراً چاشت کا وقت شروع ہو جاتا ہے۔ اشراق کے بعد چاشت کی نماز پڑھ سکتے ہیں۔

ملفوظ ملقب بعلم تقویٰ

(۳۲) **ارشاد فرمایا کہ** عالم متقی اور عالم غیر متقی کے علم میں بڑا فرق ہوتا ہے کوئی نسبت ہی نہیں ہوتی۔ تقویٰ کی برکت سے قلب کے اندر عطائے حق سے ایک نور نصیب ہوتا ہے جس کی شان یہ ہوتی ہے کما قال العارف الرومی رحمہ اللہ تعالیٰ ؎

بینی اندر خود علومِ انبیا
بے کتاب و بے معید و اوستا

علومِ الٰہیہ اس بندے پر فائض ہوتے ہیں، دوسرے اس کو نہیں پاسکتے ہیں۔ دوسروں کو کب ملے گا؟ جب یہ بندۂ عارف اپنی زبان مبارک سے ان علوم کو بیان کرے گا۔ حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا [۴۵]

اے ایمان والو! اگر تم اللہ سے ڈرتے رہو گے تو ہم تم کو (تقویٰ کی برکت سے) فرقان عطا کریں گے۔ مضارع میں خاصیت تجدد و استمرار کی ہوتی ہے۔ پس یہ ڈر ہر وقت درکار ہے، کیوں کہ انسان کو نئی نئی باتیں پیش ہوتی رہتی ہیں، نئے نئے رنگ دل کو اپنی طرف کھینچتے رہتے ہیں۔ پس ہر وقت، ہر امر میں، ہر حال میں خوفِ الٰہی پیش نظر رہے، کہیں آخرت سے غفلت نہ

---

۴۵ الانفال: ۲۹

ہو جائے۔ ایک واقعہ یاد آیا۔ لکھنؤ میں وائسرائے کی آمد تھی پھاٹک خوب سجایا ہوا تھا۔ خوش نما گل دستوں رنگین جھنڈیوں سے استقبال کا اہتمام ہو رہا تھا۔ حضرت خواجہ صاحب مجذوب نے جب یہ رنگین منظر دیکھا تو ان پر ایک شعر وارد ہوا۔ فرمایا:

رنگ رلیوں پہ زمانے کے نہ جانا اے دل
یہ خزاں ہے جو بہ اندازِ بہار آئی ہے

تقویٰ بڑی دولت ہے اسی کے اندر ولایت چھپی ہوئی ہے۔ اولیاء کی تعریف قرآن میں جہاں ہے وہاں یہی قید مذکور ہے حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

اَلَاۤ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ﴿۶۲﴾ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا یَتَّقُوْنَ ﴿۶۳﴾[۴۶]

ترجمہ: یاد رکھو! اللہ کے دوستوں پر نہ کوئی اندیشہ ناک واقعہ پڑنے والا ہے اور نہ وہ (کسی مطلوب کے فوت ہونے پر) مغموم ہوتے ہیں۔ وہ (اللہ کے دوست) ہیں جو ایمان لائے اور (معاصی سے) پرہیز رکھتے ہیں۔

مرشد کامل حضرت والا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے: بھائی! ولایت کا دروازہ ہر وقت کھلا ہوا ہے، نبوت کا دروازہ بند ہوا ہے، اب بھی غوث پاک کی کرسی پر بیٹھنے والے لوگ موجود ہیں، ولایت کو تو بندوں کے اختیار میں دے رکھا ہے۔ آیت مذکورہ میں ولایت کے لیے دو جز ضروری بیان فرمائے گئے ہیں: ایک ایمان دوسرا تقویٰ، اور دونوں امر اختیاری ہیں۔ ولایت کے معنیٰ دوستی کے ہیں۔ کس قدر بندہ نوازی اور کرم فرمائی ہے۔ بھلا بتاؤ تو دنیا کس قدر لچر اور زٹل (بے معنیٰ) جگہ ہے اور دنیا کے سلاطین کو بھی سمجھ لو کہ ان کی کیا حقیقت ہے؟ لیکن اپنے غلام کو کبھی دوست کے لقب سے یاد کرنے کا حوصلہ نہیں کرتے ہیں، اس میں اپنی توہین اور تحقیر سمجھتے ہیں۔ ہاں! یہ بات اور ہے کہ کسی کی محبت میں دل و دماغ معطل ہو جاوے جیسے محمود و ایاز تو یہ شاذ و نادر ہے وَالنَّادِرُ كَالْمَعْدُوْمِ یہ حق تعالیٰ ہی کی شان ہے کہ اپنے پیدا کیے ہوئے بندوں کو تقویٰ کی برکت سے اپنا دوست بنا لیتے ہیں۔ ارشاد فرماتے ہیں:

[۴۶] یونس: ۶۲-۶۳

نَحۡنُ اَوۡلِیٰٓؤُکُمۡ فِی الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا وَ فِی الۡاٰخِرَۃِ [۴۷]

ترجمہ: اور ہم تمہارے رفیق تھے دنیوی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی رہیں گے۔

حق تعالیٰ اپنے دوستوں کو فرقان عطا فرماتے ہیں۔ فرقان کیا چیز ہے؟ ایک نور ہے جو حق و باطل میں فرق کر دکھاتا ہے اس نور کا اتصال حق تعالیٰ کے نور پاک سے ہوتا ہے، جس کا ادراک اسی صاحبِ نور کو ہوتا ہے کیوں کہ یہ ایک ذوقی اور وجدانی امر ہے۔ یہ اتصال ''اتصالے بے تکیف بے قیاس'' کا مصداق ہوتا ہے۔ اس نعمت و دولت باطنی کے سبب یہ بندہ غیر حق سے مستغنی ہوتا ہے، تنگی و فراخی ہر حال میں راضی رہتا ہے، ذکر اللہ اس کے دل کی غذاؤں سے ہے، ہر حال میں اپنے قلب کو قضاو قدر سے راضی پاتا ہے۔ نوافل و تلاوت و ذکر سے قلب میں اطمینان و سکون وچین کی وہ دولت پاتا ہے کہ اگر سلاطین کو پتا چل جائے تو اس پر تلواریں لے کر چڑھائی کر دیں کہ یہ نعمت ہمیں بھی مل جائے، مگر یہ نعمت تو اللہ والوں کی ہی جوتیاں سیدھی کرنے سے مل سکتی ہے۔

آدمی اپنے قلب پر مشکوٰۃ نبوت سے علوم کی بارش دیکھتا ہے۔ بعض اوقات علوم کا ایسا فیضان ہوتا ہے کہ گھبرا جاتا ہے کہ کس کو پہلے بیان کروں، کس کو بعد میں بیان کروں۔ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ کبھی سائل کے ایک سوال پر بیک وقت قلب پر اس قدر متعدد دلائل وارد ہوتے ہیں کہ بیان میں تقدّم و تأخر کا لحاظ مشکل ہو جاتا ہے یعنی کس کو پہلے بیان کرے اور کس کو بعد میں بیان کرے۔

حضرت عارف رومی نے اولیاء اللہ کے علوم کی عجیب مثال بیان فرمائی ہے۔ فرماتے ہیں ؎

خم کہ از دریا در و راہے شود
پیش او جیحو نہا زانو زند

دریا کا اطلاق سمندر پر بھی ہوتا ہے گنگا و جمنا جیسے دریا عربی زبان میں نہر کہلاتے ہیں۔ جس مٹکے

---

[۴۷] حٰمٓ السجدۃ:۳۱

میں سمندر سے بلاواسطہ پانی آتا ہو تو اس کی شان و عظمت کے سامنے بہت سے جیحوں جیسے دریا زانوئے ادب طے کرتے ہیں کیوں کہ دریا خشک ہو سکتے ہیں مگر اس مٹکے کا فیض کبھی بند نہیں ہو سکتا۔ بڑے بڑے دریا اس مٹکے سے فیض یاب ہو سکتے ہیں۔ جس کی وجہ ظاہر ہے کہ مٹکا تو فی نفسہٖ ایک معمولی ظرف ہے لیکن بحر بیکراں کے اتصال نے اس کو ایسا شرف بخشا ہے کہ لاکھوں دریا اس کے سامنے کوئی حقیقت نہیں رکھتے۔ عارف باللہ کے علوم کی ایسی ہی شان ہوتی ہے۔ یہ بندہ متقی اللہ کا دوست ہے، باعتبار جسم کے تو یہ عام انسانوں کے مانند ہے لیکن اس کے اندر جو دل ہے وہ ایسا خم ہے جس کا تعلق و اتصال حق تعالیٰ کی ذات و صفات غیر متناہی سے ہے۔ یہ عارفین مصداق ماہیان قعر دریائے جلال کے ہیں۔ اس قلب میں اس بحر بیکراں سے فرقان کا نور آرہا ہے جس کو حضرت عارف فرماتے ہیں ؎

دانش نور انست در جان وجال
نے ز دفتر نے ز راہ قیل و قال

یعنی اللہ والوں کی جان میں ایک نور فراست ہے جو قیل و قال اور کتابوں کے دفتر سے میسر نہیں ہوتا۔ وہ تقویٰ ہی کی برکت سے عطا ہوتا ہے۔ بڑے بڑے علماء اس مٹکے کے سامنے یعنی بندہ عارف کے علوم کے سامنے زانوئے ادب طے کرتے ہیں۔ تمثیل کے لیے دادا پیر حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کی ذات کافی ہے۔ صرف کافیہ تک تعلیم تھی، مگر ہندوستان کے وہ علماء جو اس وقت روئے زمین پر آیات کبریٰ تھے۔ حضرت مولانا قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا رشید احمد صاحب محدث گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا محمود الحسن صاحب دیوبندی، حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا احمد حسن صاحب امروہی رحمۃ اللہ علیہ جیسے حضرات نے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں زانوئے ادب طے کیا۔ حضرت مولانا قاسم صاحب تو فرمایا کرتے تھے کہ میں تو حاجی صاحب کے علوم ہی سے ان کا معتقد ہوا ہوں۔ حضرت صاحب کے یہاں مثنوی شریف کا جو درس ہوتا تھا اس میں علمائے ہند کے علاوہ بیرون ملک کے علماء بھی شریک رہتے تھے۔

حضرت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھ کر کھڑے ہو جاتے تھے۔ اس درجہ ادب کو امام صاحب کے شاگردوں نے دیکھ کر دریافت کیا کہ حضرت آپ تو امامِ وقت ہیں، اتنے بڑے فقیہ و عالم ہیں آپ حضرت بشر حافی کا جو غیر عالم ہیں اتنا ادب کیوں کرتے ہیں؟ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ بھائی! میں عالم بکتاب اللہ ہوں اور حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ عالم باللہ ہیں، یہ فرق ہے جس کی وجہ سے میں ان کا ادب کرتا ہوں۔ ان حضرات کے یعنی حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ و حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ حضرت محمود الحسن دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ کے علوم تقویٰ ہی کی برکت سے ایک امتیازی شان رکھتے تھے۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے: بھائی کتبِ درسیہ جو سب پڑھتے ہیں وہی ہم نے بھی پڑھی ہیں مگر یہ علمی خدمات جو ہو رہی ہیں وہ سب حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے فیوض و برکات ہیں۔

درحقیقت ایسے ہی علمائے دین سے خدمت لی جاتی ہے جو متقی ہوتے ہیں ان کا علم حال بن کر ٹپکتا ہے اس وجہ سے لوگوں کے دلوں میں اثر پیدا کرتا ہے، ان کی باطنی خشیت کا اثر ان کے الفاظ میں ہوتا ہے جو سامع کے دل کو متأثر کر دیتا ہے۔ غیر متقی عالم کا علم محض قال ہوتا ہے اس کا حال نہیں ہوتا ہے۔ اس وجہ سے اس کا علم نہ خود اس کے لیے مؤثر ہوتا ہے اور نہ دوسروں پر اثر انداز ہوتا ہے۔

ایسا عالم اللہ کے نزدیک عالم نہیں ہے۔ کیوں کہ وہاں تو فرماتے ہیں ؎

ناظرِ قلبیم گر خاشع بود
گرچہ گفت لفظ ناخاضع بود

ما بروں را ننگریم و قال را
ما دروں را بنگریم و حال را

ہم ظاہر اور قال کو نہیں دیکھتے ہیں ہم باطن اور حال کو دیکھتے ہیں۔ ارشاد فرماتے ہیں:

اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ؕ

ترجمہ: وہی بندے خدا سے ڈرتے ہیں جو اس کی عظمت کا علم رکھتے ہیں۔

اس آیت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ خشیتِ الٰہیہ علمِ حقیقی کی ایک لازمی صفت ہے، اگر خشیت دل میں نہ ہو تو وہ عالم اللہ کے نزدیک عالم کے مرتبے میں نہیں ہے۔

اسی کو حضرت عارف فرماتے ہیں ؎

صد ہزاراں فضل دارد از علوم
جانِ خود را می نداند ایں ظلوم

یہ شخص سو ہزار فنون علمیہ سے فضیلت رکھتا ہے لیکن یہ ظالم اس جان سے غافل ہے ؎

اے بسا عالم ز دانش بے نصیب
حافظ علم است آنکس نے حسیب

اے لوگو! بہت سے عالم نورِ عقل سے محروم ہیں۔ یہ صرف نقوش کے حافظ ہیں حسیب نہیں ہیں ؎

جان جملہ علمہا این است ایں
کہ بدانی من کیم در یوم دیں

تمام علوم کی روح کیا ہے؟ آدمی اپنے اعمال کی نگرانی کرتا رہے اور جانے کہ قیامت کے میدان میں میری کیا حیثیت ہوگی، کیوں کہ مخلوق کو تو ظاہری حالت سے دھوکا دیا جاسکتا ہے لیکن وہاں تو سب اترے پترے کھول کر رکھ دیے جائیں گے۔

تقویٰ بڑی نعمت ہے۔ یہی وہ چیز ہے کہ انسان کے دل میں ہو تو ملائک سے شرف لے جائے اور اگر یہ نہ ہو تو جانوروں سے بھی کمتر ہو جائے۔ تقویٰ کی حقیقت کیا ہے؟ یہ کہ اپنی نفسانی خواہشات (جو) مرضیاتِ رب کے خلاف ہوں ان کے مقتضا پر عمل نہ کرے۔ یہ خواہشات بے کار نہیں پیدا کیے گئے ہیں بلکہ یہ تقویٰ کو بھی روشن کرنے کے لیے ہم کو ایندھن ملے ہیں۔ حضرت عارف فرماتے ہیں ؎

شہوتِ دنیا مثالِ گلخن است
کہ ازو حمامِ تقویٰ روشن است

بُری خواہش اللہ کی مرضی کے خلاف ہو اس پر عمل نہ کرنا چاہیے، تقویٰ کی بھٹی میں جھونک

دینا چاہیے۔ بس تقویٰ کا حمام روشن ہو جائے گا، فرقان کا نور آ جائے گا۔

اگر یہ خواہشات نہ ہوتیں تو انسان تقویٰ کے مراتبِ عالیہ کو طے نہ کر پاتا۔ حضرت شاہ عبد العزیز دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ نامرد میں چوں کہ خواہشاتِ نفسانیہ مفقود ہیں اس وجہ سے ولایتِ خاصہ کا درجہ حاصل نہیں کر سکتا۔ تو معلوم ہوا کہ خواہشاتِ نفسانیہ یعنی غضب و شہوت وغیرہ فی نفسہٖ قبیح نہیں ہیں بلکہ صحیح مصرف میں صَرف نہ کرنے کے سبب قبیح ہیں، اگر ان کو مرضئ الٰہی کے موافق صَرف کیا جائے تو یہ نعمتِ خداوندی ہیں۔ حضرات صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی شان میں اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ آیا ہے۔ ان کی شدت موقعۂ مدح میں بیان کی گئی ہے۔ کیوں کہ ان کا جو غضب و غصہ زمانۂ جاہلیت میں اپنے بھائیوں کے ساتھ اور اپنے نفس کے انتقامی جذبات پر صَرف ہوتا تھا وہ اب خدا کے لیے خدا کے دشمنوں پر صَرف ہونے لگا، اور مصرف صحیح ہو جانے کی وجہ سے تعریف و مدح میں بیان کیا گیا۔ اسی طرح جو محبت کہ اپنے نفس کے لیے اپنے نفسانی تقاضوں کے ماتحت صَرف کی جاتی تھی وہ اب مرضئ الٰہی کے مطابق اللہ کے ماننے والوں پر صَرف کی جانے لگی اور رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ [۴۸] کے خطاب سے مشرف ہو گئی۔ مگر یہ تبدیلی صحبتِ پاک رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ہوئی تھی محض کتب بینی سے نہ ہوئی تھی، بلکہ حضراتِ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین میں بہت سے حضرات اَن پڑھ بھی تھے۔ بدوں صحبتِ کاملین یہ خود بخود میسر ہونے والی چیز نہیں ہے۔

اس راز کو حق تعالیٰ نے پہلے ہی بیان فرمادیا: مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَ الَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ [۴۹] اس مَعَهٗ میں سارا خزانہ ولایت و تقویٰ کا درج فرمادیا یعنی معیت رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی کی برکت سے حضرات صحابہ کو یہ انعامات حاصل ہوئے ہیں۔ اسی کو دوسری جگہ فرماتے ہیں:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ [۵۰]

اے ایمان والو! تقویٰ اختیار کرو۔ اب سوال ہوتا ہے کیا طریقہ ہے کیسے تقویٰ

---

۴۸ الفتح: ۲۹

۴۹ الفتح: ۲۹

۵۰ التوبۃ: ۱۱۹

حاصل ہو؟ تو فرماتے ہیں: وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ سچوں کی صحبت اختیار کرو۔ یہی طریقہ ہے تقویٰ حاصل ہونے کا۔ حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے: لِكُلِّ شَيْءٍ مَعْدَنٌ وَمَعْدَنُ التَّقْوٰى قُلُوْبُ الْعَارِفِيْنَ[۵۱] ہر شے کے لیے ایک معدن ہے اور تقویٰ کا معدن عارفین کے قلوب ہیں۔ اسی کو حضرت عارف فرماتے ہیں ؎

قال رابگزار مرد حال شو
پیش مرد کاملے پامال شو

قال کو چھوڑو، صاحبِ حال بن کر رہو۔ صاحبِ حال بننے کا کیا طریقہ ہے؟ کسی مرد کامل یعنی اللہ والے کی محبت میں اپنے کو مٹادو یعنی اپنی تجویز ورائے فنا کر کے اپنے کو اس کی تربیت کے تابع کردو۔ چند دنوں میں دیکھو گے کیا تھے کیا ہوگئے۔ اور بزبانِ حال کہہ اُٹھو گے ؎

جمال ہمنشیں در من اثر کرد
وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

بزرگوں کی نظر میں حق تعالیٰ نے عجیب اثر رکھا ہے۔ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے ایک قصہ حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ ایک کُتّا تھا اس کو ایک بزرگ کامل نے نگاہِ محبت سے، نگاہِ رحمت سے دیکھ لیا تھا۔ جس کا اثر اس کتے پر یہ ہوا کہ جس طرف سے گزرتا تھا تمام کتے اس کے گرد حلقہ باندھ کر خادمانہ انداز سے بیٹھ جاتے تھے۔ جب ایک بندے کی نگاہ میں یہ اثر ہے تو پھر میاں کی نظر جس پر ہو جائے اس کا کیا حال ہوگا ؎

جرعہ خاک آمیز چوں مجنوں کند
صاف اگر باشد نہ دانم چوں کند

ملفوظ ملقب باخلاص واحسان

ارشاد فرمایا:

مَا الْاِحْسَانُ يَا رَسُوْلَ اللهِ؟ قَالَ: اَنْ تَعْبُدَ اللهَ

[۵۱] کنز العمال: ۹۱/۳ (۵۶۳۸)، باب فی الاخلاق المحمودہ والافعال المذمومۃ، مؤسسۃ الرسالۃ

كَاَنَّكَ تَرَاهُ فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ يَرَاكَ[۵۲]

حضرت جبرئیل علیہ السلام بشر کی صورت میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرات صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی ایک جماعت حاضر تھی۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے چند سوالات کیے تاکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاداتِ مبارکہ سے حضرات صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی تعلیم ہو۔ اوّلاً ایمان ثانیاً اسلام کی حقیقت دریافت کی پھر تیسری بار احسان کی حقیقت کا سوال کیا۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ احسان نام ہے ایسی عبادت کا جس میں یہ دھیان جما ہو کہ گویا تم اللہ کو دیکھ رہے ہو۔ کیوں کہ اگر تم اللہ کو نہیں دیکھ رہے ہو لیکن چوں کہ اللہ تعالیٰ تم کو قطعی دیکھ رہے ہیں پس ان کا تمہیں دیکھنا جب قطعی ہے تو گویا کہ تم بھی دیکھ رہے ہو۔

یہ گویا (كَاَنَّ) صرف اس عالَم کے لیے ہے، حیاتِ دنیویہ جب حیاتِ اُخرویہ سے متبدل ہوگی پھر حق تعالیٰ اپنی رحمت سے اس كَاَنَّكَ کا ''کاف'' نکال دیں گے اور وہاں صالحین کے لیے دیدارِ باری تعالیٰ بدون اس ''کاف'' کے اَنَّ کے ساتھ نصیب ہوگا۔ یہ کاف اس عالم کے لیے حجاب رکھا گیا تھا تاکہ ایمان بالغیب کے لیے یہ عالَم عالمِ امتحان ہوجاوے۔

احسان کے معنیٰ لغت میں کسی چیز کے اندر حُسن اور اچھائی پیدا کردینا ہے، احسان کا مادہ بھی حُسن ہے اور شارع علیہ السلام کی اصطلاح میں احسان ایک خاص تصور اور مراقبہ کا نام ہے یعنی بندہ ہر عبادت میں یہ خیال دل میں جمائے ہوئے بجالائے کہ میرا معبودِ حقیقی، میرا مالک اور خالق، میرا اور تمام جہان کا پروردگار مجھے دیکھ رہا ہے۔ اگرچہ ہم اندھے ہیں ہم ان آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کی صلاحیت اور تحمل نہیں رکھتے مگر چوں کہ وہ ہم کو قطعی دیکھ رہے ہیں پس گویا ہم بھی ان کو دیکھ رہے ہیں۔ جس طرح کوئی اندھا کسی بینا سے ملاقات کرکے واپس آتا ہے تو اپنے گھر والوں سے کہتا ہے کہ ہم بھی دیکھ آئے۔ یہاں اس کا دیکھنا بھی حقیقی دیکھنا نہیں ہے، ہاں! یہ کہا جائے گا کہ گویا کہ اس نے بھی دیکھ لیا۔ عالمِ آخرت میں ان آنکھوں کے اندر حق تعالیٰ صلاحیت عطا فرمادیں گے۔ یہ آنکھیں یہاں بنائی جارہی ہیں ایمان، اسلام،

۵۲؎ صحیح البخاری: ۱/۱۲ (۵۰)، باب سؤال جبریل علیہ السلام، المکتبۃ المظہریۃ

احسان کے انوار سے بن رہی ہیں، بنیں گی یہاں اور کھولی جائیں گی وہاں۔

احسان کے لغوی اور اصطلاحی معنوں میں کھلا ہوا ربط ہے۔ ایمان اور اسلام میں حُسن کب آتا ہے؟ جب احسان کی روح بھی آجائے، احسان کا دوسرا نام اخلاص بھی ہے۔ احسان اور اخلاص دونوں باعتبار حقیقت کے ایک ہی چیز ہیں۔ احسان فی الایمان بھی مطلوب ہے اور احسان فی الاسلام بھی مطلوب ہے۔ احسان فی الاسلام یعنی کلمۂ شہادت، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ میں حُسن کب حاصل ہوگا؟ جب اس دھیان سے ان فرائض کو ادا کیا جائے کہ گویا ہم اللہ کو دیکھ رہے ہیں۔ جتنے لمحات اس دھیان سے غفلت میں گزر جائیں گے وہ لمحات خواہ کلمۂ شہادت کے ہوں یا نماز کے ہوں یا روزے کے ہوں یا حج کے ہوں یا زکوٰۃ کے ہوں اخلاص والی اطاعت اور بندگی میں شمار نہ ہوں گے۔ اسی احسان فی الایمان کا معاملہ ہے، ایمان کا محل قلب ہے قلب میں یہ مراقبہ کہ اللہ تعالیٰ ہمیں دیکھ رہے ہیں جس قدر راسخ ہوگا اسی قدر ایمان کامل اور اکمل ہوگا۔ جتنے لمحات اس دھیان سے غفلت میں گزریں گے ان لمحات کا ایمان بھی احسان کی روح سے خالی ہوتا ہے۔ ایمان اور اسلام کے جملہ ارکان کی روح احسان ہے۔ بدوں احسان کی کیفیت کے اور اس خاص روح کے عبادت تو ہے مگر اس میں حُسن نہیں ہے، جسم تو ہے مگر روح نہیں ہے۔ اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ میں جو عبدیت مذکور ہے یہ بندگی اور غلامی تو غلام سے کسی وقت منفک (الگ) نہیں ہے، غلام تو ہر وقت غلام ہے۔ بندہ ہر وقت بندہ ہے۔ نماز کی حالت میں بھی بندہ ہے اور بازار میں چلنے کی حالت میں، خرید و فروخت میں، کھانے پینے میں، سونے جاگنے میں ہر آن میں ہر حال میں بندہ ہے۔ ابد الآباد تک کے لیے اللہ کا غلام ہے۔ مزدور تو کبھی مزدور ہے کبھی نہیں ہے، نوکر کبھی نوکر ہے کبھی نہیں ہے مگر بندہ کبھی کسی حال میں طوقِ غلامی اور بندگی سے آزاد نہیں ہے، یہ تو بندہ بنا کر پیدا کیا گیا ہے، بندہ ہونا خود کو اس کی ذات میں داخل ہے۔ پس اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ میں جو غلامی اور عبدیت مذکور ہے اس کے اندر بندوں کی ہر سانس داخل ہے، بندہ حیات سے لے کر موت تک ہر حرکت و سکون میں غلام ہے۔ اس لیے اس مراقبہ اور دھیان کا دل میں راسخ کرنا محض عباداتِ مصطلحہ متعارفہ کے ساتھ خاص نہیں ہے ہر وقت یہ خیال رہنا چاہیے کہ گویا اللہ تعالیٰ کو ہم دیکھ رہے ہیں۔ اپنی چال میں، اپنے لب و لہجہ میں، آنکھوں کے تیور میں، طرزِ گفتگو میں اپنی عبدیت اور شانِ غلامی کا دھیان رہے۔ نفس کی انانیت ہر سانس میں شامل ہو سکتی ہے۔

غافل اِدھر ہوا نہیں اس نے اُدھر ڈسا نہیں

ہر وقت عظمتِ الٰہیہ اس طرح سامنے رہے کہ گویا اللہ تعالیٰ کو ہم دیکھ رہے ہیں۔ یہ تصور اور دھیان زبردست آلۂ تنبیہ اور کوڑا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کی عظمت سامنے رہے گی تو اپنی بندگی اور بے چارگی اور اپنی غلامی بھی پیش نظر رہے گی۔ اس دھیان اور مراقبہ کی مشق کرنی پڑتی ہے، مشق سے اس خیال کا دل میں رسوخ ہو جاتا ہے، چند دن کی مشّاقی کے بعد پھر بدوں اہتمام وقصد بھی یہ دھیان بندھا رہتا ہے، اگر معمولی سی غفلت ہوتی ہے تو حق تعالیٰ متنبہ فرمادیتے ہیں۔ اس دھیان سے جب غفلت ہو جاتی ہے تو بندے سے شانِ بندگی اور غلامی کا استحضار جاتا رہتا ہے اور اتنی دیر کے لیے یہ بندہ نفس کے حوالے ہو جاتا ہے۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پلک جھپکنے کی قلیل مدت کے لیے بھی نفس کے حوالے ہو جانے سے پناہ مانگی ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں:

يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ بِرَحْمَتِكَ اَسْتَغِيْثُ، اَصْلِحْ لِيْ
شَأْنِيْ كُلَّهٗ وَلَا تَكِلْنِيْ اِلٰى نَفْسِيْ طَرْفَةَ عَيْنٍ[۵۳]

بندوں کی تعلیم کے لیے سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی جناب میں عرض کرتے ہیں کہ اے حقیقی زندہ اور اے حقیقی سنبھالنے والے! میری ایک فریاد ہے اور آپ کی رحمت کو بیچ میں واسطہ لایا ہوں۔ اب سوال ہوتا ہے کہ یہ استغاثہ کس ظالم پر ہے؟ وَلَا تَكِلْنِيْ اِلٰى نَفْسِيْ طَرْفَةَ عَيْنٍ یہ استغاثہ نفس ہے۔ سب دشمنوں سے بڑا دشمن نفس ہے جو ہر وقت پہلو میں ہے اِنَّ اَعْدٰى عَدُوِّكَ نَفْسَكَ الَّتِيْ بَيْنَ جَنْبَيْكَ[۵۴] حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ سب دشمنوں سے بڑھ کر تمہارا دشمن نفس ہے (وہ فریاد کیا ہے؟ استغاثہ کی عرضی کیا ہے؟) اے اللہ! میرے ہر کام کی اصلاح فرمادیجیے اور آپ مجھے میرے نفس کے حوالے اتنی مدت کو بھی نہ فرمائیں جتنا وقت پلک جھپکنے میں صَرف ہوتا ہے۔

---

۵۳ کنز العمال:۱۳۹/۲،(۳۴۹۸) الباب الثامن: الدعاء الفصل الخامس: أدعية المؤقتة، الفرع الثالث: أدعية الصباح والمساء، مؤسسة الرسالة

۵۴ مرقاة المفاتيح:۳/۲،۳/۳، باب التطوع، دار الكتب العلمية، بيروت

سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رحمۃ للعالمین تھے آپ نے اُمّت کے لیے استغاثہ کا مضمون مرتب فرمادیا۔ آپ کا ہر قول اور ہر فعل اُمّت کے لیے تعلیم ہے۔

اس دُعا سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر وقت نفس کی نگرانی اور دیکھ بھال ضروری ہے ؎

اندریں رہ می تراش و می خراش
تادمے آخر دمے فارغ مباش

ایک لمحہ کو بھی بے فکری کا موقع نہیں ہے۔ ہر وقت احسان کی روح کو اَنْ تَعْبُدَ اللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ کے دھیان سے بلوغ سے لے کر موت تک غلامی اور بندگی کے تمام حرکات وسکنات میں قائم رکھنا ضروری ہے۔ اس دھیان کو قائم رکھتے ہوئے عبادات، معاملات ، معاشرات، اخلاقیات میں غلامی کا حق ادا کرنا ہے یہاں تک کہ وہ یقینی چیز (موت) آجائے۔

وَاعْبُدْ رَبَّکَ حَتّٰی یَاْتِیَکَ الْیَقِیْنُ [۵۵] اپنے رب کی غلامی میں لگے رہو یہاں تک کہ وہ یقینی چیز (موت) آجائے۔اس دھیان کو دل میں ہر وقت باقی رکھنے کے لیے مشقت اور مجاہدہ کرنا پڑتا ہے، غفلت کے لمحات کا گریہ وزاری اور اشک ہائے ندامت سے تدارک کرنا پڑتا ہے۔ پھر اسی سعی اور چند دن کی مشّاقی بندوں کی طرف سے دیکھ کر حق تعالیٰ خود اپنی مدد خاص سے اپنے راستے کھولتے چلے جاتے ہیں اور احسان کا درجہ عطا فرما کر اپنی خاص معیت سے نواز دیتے ہیں، ارشاد فرماتے ہیں:

وَالَّذِیْنَ جَاھَدُوْا فِیْنَا لَنَھْدِیَنَّھُمْ
سُبُلَنَا ؕ وَاِنَّ اللّٰہَ لَمَعَ الْمُحْسِنِیْنَ [۵۶]

جو ہماری راہ میں مشقت اُٹھاتے ہیں ہم ان کے لیے اپنی راہیں کھول دیتے ہیں، اور ان محسنین کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی خاص معیت ہے۔ ایسے محسنین بندوں کو صوفیا اپنی اصطلاح میں صاحبِ نسبت کہتے ہیں، احسان سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک خاص رابطہ قائم ہوجاتا ہے اسی لگاؤ کا نام نسبت ہے۔ ایسے حضرات کو اولیاء اللہ بھی کہتے ہیں۔ اس دوستی کی سند حق تعالیٰ نے اس آیت

۵۵ الحجر:۹۹
۵۶ العنکبوت:۶۹

پاک میں بیان فرمائی ہے۔

وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ اس دوستی کو کس قدر مؤکد فرمایا ہے اِنَّ بھی تاکید کے لیے ہے اور لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ کا لام بھی تاکید کے لیے ہے۔ چند دن ان ہی کے دیے ہوئے اعضاء سے ان ہی کی دی ہوئی توفیق سے ان کی راہ میں کچھ مشقت اُٹھائی تھی اس کی کیا قدر دانی حق تعالیٰ نے فرمائی ہے۔

نیم جاں بستاند و صد جاں دہد
انچہ در وہمت نیاید آں دہد

نے ہمیں ملک جہان دوں دہد
بلکہ صدہا ملک گو ناگوں دہد

فرماتے ہیں کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں۔

ہم تمہارے تم ہمارے ہو چکے
دونوں جانب سے اشارے ہو چکے

احسان سے ایمان اور اسلام میں حُسن کیوں پیدا ہو جاتا ہے اس کو میں ایک مثال سے سمجھایا کرتا ہوں، جب مزدور کو یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ میرے کاموں کو مالک پس پردہ چلمن سے دیکھ رہا ہے تو وہ خوب جی لگا کر اپنے فرائض منصبی کو بہت حُسن وخوبی سے انجام دیتا ہے، ہر وقت یہ خیال لگا ہوتا ہے کہ مالک دیکھ رہا ہے خواہ مالک سوتا ہی کیوں نہ ہو کیوں کہ مزدور کو اس کے سونے کا علم نہیں ہوتا، اس کے دل میں یہ خوف لگا ہوا ہے کہ میاں چلمن سے دیکھ رہے ہوں گے کام خراب اور سُستی سے ہو گا تو مزدوری کاٹ لیں گے اور ڈانٹ الگ سے پڑے گی اور اگر کام حُسن وخوبی سے انجام دوں گا تو شاید میاں کچھ انعام بھی مقررہ مزدوری کے علاوہ خوش ہو کر دے دیں اور مجھے اپنا وفادار سمجھیں۔ جب ایک مزدور یا ملازم بندہ اپنے ہی جیسے دوسرے انسان کا بوجہ فرقِ مراتب اس دھیان اور خیال سے کہ مالک ہماری مزدوری یا نوکری کو دیکھ رہا ہے، اس درجہ حُسن وخوبی سے تابع داری کا جذبہ اپنے اندر محسوس کرتا ہے تو

جرعہ خاک آمیز چوں مجنوں کند
صاف اگر باشد ندانم چوں کند

اس معبود حقیقی تعالیٰ شانہٗ کے ساتھ جب یہ خیال جما رہے گا کہ میرا اللہ مجھے دیکھ رہا ہے تو اعمال میں کس درجہ اپنی عبدیت اور غلامی، تذلل اور خواری کی روح پیدا ہو جائے گی۔ قاعدہ مسلمہ ہے کہ **تُعْرَفُ الْاَشْيَاءُ بِاَضْدَادِهَا** ہر شے اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے۔ جب اللہ کی عظمت اور کبریائی سامنے ہوگی تو اپنی ذلّت اور خواری، اپنی درماندگی اور بے چارگی، اپنی عاجزی اور محتاجی بھی سامنے آجائے گی۔

چو سلطان عزت علم برکشد
جہاں سر بجیب عدم در کشد

اگر آفتاب است یک ذرہ نیست
وگر ہفت دریاست یک قطرہ نیست

یہ انانیت کی فرعونیت کہ میں یہ ہوں میں یہ ہوں اسی وقت تک ہے جب تک دل کی آنکھیں پٹ ہیں، اللہ کی کبریائی اور عظمت سامنے نہیں ہے۔ عوام تو معاصی سے استغفار کرتے ہیں مقربین عارفین اپنے حسنات سے بھی استغفار کرتے ہیں کہ معلوم نہیں یہ حسنات میاں کو پسند بھی آئے یا نہیں، ان کی عظمت کے لائق جب اپنے حسنات کو نہیں پاتے تو ندامت کا اظہار کرتے ہیں اور استغفار کرتے ہیں۔ یہی راز ہے کہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہو کر جب سلام پھیرتے تو استغفار فرمایا کرتے۔ آپ کا یہ استغفار کس لیے تھا؟ نعوذ باللہ! نماز تو کوئی مصیبت کی بات نہیں ہے، یہاں اسی عظمتِ الٰہیہ کا استحضار تھا۔ بندوں کی بندگی اور غلامی لائقِ شانِ جلالتِ الٰہیہ نہیں ہو سکتی ہے۔ پس اُمّت کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے استغفار کی تعلیم دی تاکہ کوتاہیوں کا تدارک ہو جائے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اے اللہ! آپ کی غلامی کا حق آپ کی جلالت اور کبریائی کے شایان شان مجھ سے ادا نہیں ہوا۔

جان دی دی ہوئی ان ہی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

ایک بار حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے مجھ سے فرمایا کہ اخلاص سے بھی اُونچا ایک مقام ہے، پھر خود ہی فرمایا کہ وہ مقامِ فنائیت ہے۔ اس کی تشریح اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں یہ ڈالی ہے کہ اخلاص میں بندے کو اپنے وجود کا اعمال میں حساً استحضار رہتا ہے اگرچہ کَاَنَّکَ تَرَاہُ کا پورا مصداق ہوتا ہے مگر انانیت کی اتنی جھلک باقی رہتی ہے کہ میں نے اللہ کے فضل سے یہ کام کیا اور یہ ''میں'' مذموم نہیں ہے بلکہ محمود ہے مگر اس سے بھی ایک اُونچا مقام ہے صوفیاء اس مقام کو فناء الفناء کہتے ہیں وہ کیا ہے کہ۔

تو مباش اصلاً کمال اینست وبس
رودر وگم شو وصال اینست وبس

اپنے کو بالکل فنا کردے، جو حسنات اپنے ان مستعار اعضاء سے صادر ہوں ان کو اپنی طرف بالکل نہ منسوب کرے۔ حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

مَآ اَصَابَکَ مِنْ حَسَنَۃٍ فَمِنَ اللّٰہِ ؗ وَمَآ اَصَابَکَ مِنْ سَیِّئَۃٍ فَمِنْ نَّفْسِکَ ؕ[۵۷]

جس درجہ نسبتِ احسانیہ کا رسوخ دل میں ہوتا ہے اسی درجہ عبدیتِ کاملہ نصیب ہوتی ہے۔ ایسی قوّم (حالت) نسبت احسان کی کہ کسی وقت غفلت نہ ہو، ہر وقت ٹکٹکی بندھی ہے کہ میاں دیکھ رہے ہیں، یہ مقام انبیاء ورسل علیہم السلام کا خاص ہے ان حضرات کو ہمہ وقت یہ استحضار بدرجہ اتم واکمل میسر ہوتا ہے، اور اولیائے اُمّت پر کسی قدر اس دھیان سے غفلت کے لمحات گزر جاتے ہیں تدارک استغفار سے کرتے رہتے ہیں، تاہم اُمّت کے عوام سے ان کا درجۂ احسان کماً اور کیفاً نہایت اقویٰ اور اعلیٰ ہوتا ہے۔

بعض شرّاحِ حدیث نے اس حدیث سے احسان کے دو درجے بیان کیے ہیں: ایک تو یہ کہ ہم اللہ کو دیکھ رہے ہیں، دوسرا یہ کہ اللہ ہمیں دیکھ رہے ہیں۔ لیکن میں نے اپنے اُستادِ حدیث مولانا ماجد علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ جونپوری سے سنا کہ اس حدیث کی تقریر جب میرے اُستاد حضرت مولانا رشید احمد صاحب محدث گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے کی تو فرمایا کہ بعض شراحِ حدیث کا اس حدیث سے احسان کے دو درجے بیان کرنا اجتہادی چُوک ہے۔ فَاِنْ لَّمْ تَکُنْ تَرَاہُ میں فاء تعلیل کے لیے ہے، پس حدیث کا ترجمہ یوں ہو گا: ایسی غلامی کرو کہ گویا تم اللہ کو دیکھ رہے

۵۷؎ النسآء: ۷۹

ہو، اس واسطے کہ اگر تم نہیں اللہ کو دیکھ رہے ہو تو اللہ تعالیٰ تو تمہیں دیکھ رہے ہیں۔ پس ان کا دیکھنا جب یقینی اور قطعی ہے تو گویا تم بھی دیکھ رہے ہو۔ جب اس دھیان سے عبادت ہوگی تو ریا سے پاک ہوگی۔ اور اس احسان کا مطالبہ بلوغ سے لے کر آخری لمحۂ حیات تک ہے۔ عوام تو عوام اکثر اہلِ علم بھی اس دھیان کو کہ گویا ہم اپنے اللہ کو دیکھ رہے ہیں صرف نماز اور تلاوت کے ساتھ منحصر سمجھتے ہیں حالاں کہ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ سے صاف واضح ہے کہ موت تک حقِ غلامی اور حقِ بندگی میں لگے رہنے کا امر ہے۔ غلام کی ہر سانس غلام ہے۔ بازار میں خرید و فروخت کر رہا ہے، لوگوں سے باتیں کر رہا ہے مگر یہ دھیان بندھا ہوا ہے کہ میاں دیکھ رہے ہیں۔ اپنے لب ولہجہ میں، جنبشِ نگاہ میں، اپنی نشست کی ہیئت میں، اپنی چال میں ہوشیار رہتا ہے کہ بندگی اور غلامی کی شان موجود ہے یا تکبر وانانیت کی باریک لہریں بھی شامل ہوگئی ہیں۔ وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّ اِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا[۵۸] رحمٰن کے بندے زمین پر اپنے کو غلام سمجھ کر چلتے ہیں، ان کی چال سے بندگی اور غلامی کی شان ظاہر ہوتی ہے، دھیان بندھا ہوا ہے کہ میرا محبوبِ حقیقی دیکھ رہا ہے، ہم اس کے غلام ہیں۔ اپنے اللہ کے لیے اپنے کو خوار و ذلیل سمجھ کر چلتے ہیں۔ ان کو اپنی چال میں فکر رہتی ہے کہ میاں نے جس هَوْن کو میرے لیے پسند فرمایا ہے وہ میری چال میں ہے یا نہیں ہے؟ اس تذلل اور عبدیت کے صلے میں حق تعالیٰ ایسے بندوں کو مخلوق کی نگاہ میں معزز اور کبیر فرمادیتے ہیں مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰهِ فَرَفَعَهُ اللّٰهُ[۵۹]۔ وَضْعٌ کے معنیٰ رکھ دینے کے ہیں اور تفاعل کے باب میں اپنے کو گرا دینے کے ہیں۔ آپ نے گرایا نہیں کہ رفعت کا ثمرہ فوراً ملتا ہے فَرَفَعَهُ اللّٰهُ میں فا عجب شان رکھتی ہے، یہ فا تعقیب کے لیے ہے، پس اللہ بلند فرمادیتا ہے، یہ ذلّت جو ان کے لیے ہو ہزار سلطنت سے بہتر ہے ؎

بندگی او بہہ از سلطانی است

کہ انا خیر دمِ شیطانی است

اور جب ہمارے بندے هَوْن کی شان لیے ہوئے چلتے ہوتے ہیں اور کوئی جاہل ان کو چھیڑتا ہے تو وہ سلامتی کے ساتھ آگے بڑھ جاتے ہیں، جاہلوں سے اُلجھتے نہیں ہیں کہ مبادا ہماری هَوْن کی

---

۵۸ الفرقان: ۶۳

۵۹ مشکوٰۃ المصابیح: ۴۳۴، باب الغضب والکبر، المکتبۃ القدیمیۃ

نعمت نفس کے حوالے نہ ہو جائے۔ ہون کے معنیٰ تذلل اور خواری کے ہیں۔ احسان کی روح سے بندگی اور فنائیت کی عجیب شان پیدا ہو جاتی ہے، ایمان میں بھی حُسن آجاتا ہے اسلام میں بھی حُسن آجاتا ہے۔ پوری زندگی ایک شان تعبدی لیے ہوئے حیات طیبہ سے مشرف ہو جاتی ہے۔ بظاہر کوئی اہلِ ظاہر اعتراض کر سکتا ہے کہ جب اعضاء خرید و فروخت یا دیگر مشاغلِ ضروریہ میں مصروف ہیں تو یہ دھیان کیسے قائم رہ سکتا ہے کہ گویا ہم اپنے اللہ کو دیکھ رہے ہیں؟ اس کا جواب حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ نے ایک عجیب مثال سے سمجھایا ہے، تمثیلات کے تو حضرت بادشاہ تھے۔ فرمایا کہ جون پور میں عورتیں گھڑوں میں پانی بھر کے ایک گھڑا بغل میں اور دو گھڑے سر پر اوپر نیچے رکھ کر چلتی ہیں اور آپس میں باتیں کرتی ہوئی چلتی ہیں مگر دل میں سر کے گھڑوں کا خیال برابر رہتا ہے۔ اگر گھڑوں سے ذرا بھی دل غافل ہو تو گھڑے سر سے زمین پر آرہیں۔ یہی حال صاحبِ احسان اور صاحبِ نسبت کا ہوتا ہے۔ نسبت کا ترجمہ میں نے کیا ہے لگاؤ، اپنے اللہ سے ایسا لگاؤ دل میں رسوخ پکڑ لیتا ہے کہ کسی حال میں غفلت نہیں ہوتی ہے۔ کثرتِ ذکر اللہ اور صحبتِ اہل اللہ اس رسوخ کے لیے گُر ہیں، ان ہی دو اجزاء سے درجۂ احسان حاصل ہوتا ہے۔ حضرت حاجی صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مقصود یعنی درجہ احسان کے لیے اَلَمۡ یَعۡلَمۡ بِاَنَّ اللّٰہَ یَرٰی[۲۰] کا مراقبہ بھی تحریر فرمایا ہے۔ چند دن کی مشق سے یہ رابطہ دل میں رسوخ کر لیتا ہے کہ حق تعالیٰ ہمیں دیکھ رہے ہیں۔ بیس منٹ بھی اگر تنہائی میں باوضو قبلہ رو بیٹھ کر یہ سوچتا رہے کہ حق تعالیٰ ہمیں دیکھ رہے ہیں تو یہ بیس منٹ کی مشق دن ورات کے لیے کار آمد ہوتی ہے۔ اگر اس مراقبہ کے ساتھ یہ بھی تصور کر لے کہ میرے ہر بنِ مُو سے اللہ اللہ نکل رہا ہے تو نفع اور بھی دوبالا ہو جاتا ہے۔ اس طریقے کو حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے خواب میں تعلیم فرمایا تھا۔ ہر روز کم از کم بیس منٹ بھی کافی ہیں اس تھوڑی مدتِ ذکر کو جو پابندی کے ساتھ ہر روز کر لیا جائے گھڑی کی کوک (گھڑی میں چابی دینا) کہا کرتا ہوں۔ گھڑی کو ایک دفعہ کوک دیا جاتا ہے تو چوبیس گھنٹہ چلا کرتی ہے۔ اسی طرح یہ قلیل مدتِ ذکر جو پابندیٔ معمولات میں صَرف ہوتی ہے ۲۴ گھنٹے کے لیے ملکۂ یادداشت کے لیے کافی ہو جاتی ہے یعنی ۲۴ گھنٹے پھر تمام کاموں میں مشغولیتوں کے باوجود قلب خدا سے غافل نہیں ہوتا ہے، وہی ایک دفعہ کی کوک کا اثر دل پر برابر قائم رہتا ہے جس کا جی چاہے عمل کر کے

---

[۲۰] العلق:۱۴

دیکھ لے مَنْ شَاءَ فَلْيُجَرِّبْ۔ بعضے اہلِ ظاہر اعتراض کرتے ہیں کہ حضرات صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سب کو یہ درجہ احسان حاصل تھا لیکن کسی سے مراقبہ کا ثبوت نہیں ملتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ احسان کی کیفیت سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اس درجہ اقویٰ واعلیٰ تھی کہ آپ کی صحبتِ مبارکہ میں آپ کے اصحاب رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے قلوب میں آپ کی احسانی نسبت کا فیض منتقل ہو جاتا تھا اور یہ فیض اس قدر قوی ہوتا تھا کہ آپ کی مجلس سے علیحدہ ہونے کے بعد بعض حضرات کو اپنے اوپر نفاق کا شبہ ہونے لگا کیوں کہ وہ کیفیتِ ایمانی اور احسانی جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پرتو (عکس) نبوت سے ان کے دلوں میں مجلسِ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اندر ہوتی تھی وہ علیحدہ ہونے کے بعد بیوی بچوں میں مشغول ہونے کی حالت میں اس کیفیت کے ساتھ باقی نہ رہتی تھی۔ حضرت حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عرض کیا کہ نَافَقَ حَنْظَلَةُ حنظلہ تو منافق ہو گیا، اور آپ نے اپنے احسان کی کیفیت میں تغیّر کو بیان کیا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صحبت پاک میں تو یقین کی ایسی حالت ہو جاتی ہے کہ گویا ہم اللہ کو دیکھ رہے ہیں، جنّت اور جہنّم ہماری آنکھوں کے سامنے ہیں اور جب ہم اپنے گھروں کو لوٹ کر آتے ہیں تو یہ کیفیتِ احسانی ایسی نہیں رہتی۔ حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے یہ سُن کر فرمایا کہ یہی حالت تو میری بھی ہے پھر یہ دونوں حضرات حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت پاک میں حاضر ہوئے اور اپنے احوال عرض کیے آپ نے ارشاد فرمایا: حَنْظَلَةَ سَاعَةً كَذَا وَسَاعَةً كَذَا یعنی یہ تغیّر مضر نہیں ہے بے فکر رہو، اگر یہی حالتِ احسانی جو میری صحبت میں رہتی ہے یکساں طور پر ہر وقت رہے تو ملائکہ تم سے مصافحہ کرنے لگیں تمہارے راستوں پر اور تمہارے بستروں پر فَصَافَحَتْكُمُ الْمَلَائِكَةُ عَلٰى طُرُقِكُمْ وَفُرُشِكُمْ[۱۶] یعنی انسانیت ملکوتیت سے بدل جائے اور اُمورِ معاش کے سارے کارخانے درہم برہم ہو جائیں۔ چوں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صحبت کا میسر ہونا قیامت تک کے لیے ناممکن ہے اس لیے ایک ادنیٰ صحابی کے احسان کے برابر اُمّت کے اندر قیامت تک کوئی ولی نہیں ہو سکتا۔ اعمال واذکار، تلاوت ونوافل کو باعتبار کمیت کے زیادہ سے زیادہ کوئی ولی جمع کر سکتا

---

[۱۶] جامع الترمذی: ۲/۷۸، باب من ابواب صفۃ القیٰمۃ، ایچ ایم سعید

ہے مگر احسان کی وہ روح ان اعمال میں کیسے آسکتی ہے جو حضرات صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو فیضِ نبوت سے عطا ہوئی تھی۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے صحابی کا ایک مُد جو خیرات کرنا بعد کے لوگوں کے احد پہاڑ کے برابر سونا خیرات کرنے سے افضل ہے۔ ان کے ایک مُد جو کے صدقے میں احسان کی جو روح اور کیفیت ملی ہوئی تھی اس نے دوسروں کے احد پہاڑ کے برابر سونا صدقہ کرنے پر فضیلت حاصل کرلی۔ یہی راز ہے جو بزرگوں نے فرمایا ہے کہ عارف کی دو رکعت نماز غیر عارف کی ہزار رکعت نمازوں سے افضل ہے۔ کیوں کہ عارف کی دو رکعت میں احسان کی روح موجود ہے وہ ایک خاص سمجھ اور فکر کے ساتھ عبادت کرتا ہے۔

وَلَا يُجْزَوْنَ اِلَّا بِقَدْرِ عُقُوْلِهِمْ

تابعین نے اس احسان کو حضرات صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے حاصل کیا اور ان کے بعد تبع تابعین نے تابعین سے حاصل کیا، یہ تین زمانے ایسے ہیں جن کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خیر القرون فرمایا ہے۔ بعد میں جیسے جیسے زمانۂ نبوت سے بُعد ہوتا گیا علمائے محققین ربّانیین نے اس احسانی کیفیت کے رسوخ کے لیے ذکر اور مراقبہ تجویز کیا اور یہ نسخے بھی قرآن وحدیث سے لیے ہیں، حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔

وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ [۶۲]

اپنے اللہ کو خوب یاد کیا کرو اُمید ہے کہ میری یاد سے تم کو فلاح نصیب ہو۔

قرآن سے کثرتِ ذکر اللہ کا ثبوت ہو گیا، اور مراقبہ کا ثبوت لیجیے احسان کی حدیث میں كَاَنَّكَ تَرَاهُ جو مذکور ہے تو یہ كَاَنَّ یعنی گویا تم دیکھ رہے ہو اللہ کو، یہ ایک تصور ہی تو ہے ورنہ گویا کیوں کہتے، اگر یہ تصور نہ ہوتا تو كَاَنَّ کا ''کاف'' بھی نہ ہوتا، یہ گویا فرمانا ایک نوع کا مراقبہ ہی ہے۔ مراقبہ رقبہ سے ہے لُغت میں رقبہ گردن کو کہتے ہیں باب مفاعلۃ میں یہ رقبہ مراقبہ ہو گیا چوں کہ جب کسی بات کی فکر میں اور کسی خیال میں آدمی مستغرق ہوجاتا ہے تو فطری طور پر عادتاً گردن خود بخود جھک جاتی ہے، اسی مناسبت سے صوفیا نے اس کا نام مراقبہ رکھ دیا ہے۔ اور ایک حدیث بھی یاد آگئی جس میں مراقبہ کا لفظ بھی موجود ہے اِحْفَظِ اللّٰهَ

[۶۲] الانفال: ۴۵

تَجِدْہُ تُجَاھَکَ [٦٣] یہ راقب امر کا صیغہ ہے جس کا مصدر مراقبہ ہی ہے۔ میں اس کا ترجمہ یوں کرتا ہوں: اپنے اللہ کے سامنے اپنی گردن ڈال دو اپنے سامنے تم اللہ کو موجود پاؤ گے۔ مراقبہ سے مراد نگہداشت ہے۔

دل کے آئینہ میں ہے تصویرِ یار
جب ذرا گردن جھکائی دیکھ لی

کثرتِ ذکر اللہ کا ثبوت بھی منصوص ہے اور مراقبہ بھی حدیث سے ثابت ہے، اب صحبتِ اہل اللہ کا ثبوت بھی بیان کرتا ہوں: یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللہَ وَ کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو۔ اب بندوں کی طرف سے سوال ہوتا ہے کہ میاں کیسے ڈریں کیا طریقہ ہے ڈر حاصل کرنے کا؟ ہر کجا مشکل جواب آنجا رود۔ فرماتے ہیں: وَ کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ اور رہ پڑو سچوں کے ساتھ۔ جن کے دل ہمارے خوف سے سچے ہیں، جن کے دماغ ہمارے خوف سے سچے ہیں، جن کی آنکھیں ہمارے خوف سے سچی ہیں، جن کے جملہ اعضاء تقویٰ کی برکت سے اماناتِ الٰہیہ کی حفاظت کرتے ہیں یعنی جو اپنی قوتوں کو مرضیاتِ الٰہیہ کے خلاف نہیں صَرف کرتا اسی کا نام صدق ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کو ایک شخص نے جو زمانۂ قید میں آپ کا ساتھی تھا اور اس نے آپ کے صدق کو دیکھا تھا اور عرصہ کے بعد پھر ملاقات کی، کس عنوان سے خطاب کیا ہے۔ ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے بھی عجیب فرمایا ہے: یُوْسُفُ اَیُّھَا الصِّدِّیْقُ [٦٤] ہمارے حضرت والا ترجمہ فرماتے ہیں: اے یوسف اے صدقِ مجسم! سبحان اللہ اس ترجمہ سے وجد آجاتا ہے۔ اے صدقِ مجسم کیا بلیغ ترجمہ ہے۔

احسان کی تحصیل سے عام طور پر بڑی غفلت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہماری عبادتیں بھی بے روح ہیں۔ احسان کی لذّت سے عبادات بھی لذیذ ہو جاتی ہے۔ ایک شخص ہے جو نماز پڑھ رہا ہے مگر اس کو کچھ خیال نہیں ہے کہ ہم کس کے سامنے کھڑے ہیں کس کے سامنے جھک رہے ہیں کس کو سجدہ کر رہے ہیں دل کہیں مشغول ہے بس زبان ہے کہ گھڑی کی سوئی کی

[٦٣] جامع الترمذی: ۲/۷۸، باب من ابواب صفۃ القیٰمۃ، ایچ ایم سعید

[٦٤] یوسف: ۴۶

طرح خود بخود چل رہی ہے اور ایک شخص ہے کہ جو وضو ہی کے وقت سے دل میں اہتمام کرتا ہے سوچتا ہے کہ بہت بڑے دربار کی حاضری ہے پھر نماز میں کھڑا ہوتا ہے، دھیان بندھا ہوا ہے کہ میاں دیکھ رہے ہیں گویا کہ اپنے اللہ کو دیکھ رہا ہے۔ اب اس خیال کا اثر کیا ہوگا اس کا کھڑا ہونا دوسرے کے کھڑے ہونے کے برابر نہیں ہو سکتا ہے، یہ کھڑا بھی ہے اور فنا بھی ہو رہا ہے۔ کھڑا ہو کر فنا ہو رہا ہے۔ کھڑا ہونا اکڑ بھی ہو سکتا ہے لیکن یہ کیسے کھڑا ہے **قُوۡمُوۡا لِلّٰہِ قَانِتِیۡنَ**[۶۵] قانت بن کر تابع دار بن کر کھڑا ہوتا ہے، اپنے کھڑا ہونے سے ہاتھ باندھے ہوئے غلامی کی شان ظاہر کر رہا ہے۔ اب عظمتِ الٰہیہ کے سامنے حمد و ثنا بیان کرنے کے بعد اپنے اللہ کے سامنے رکوع میں جھک گیا، کیا کیفیت ہوگی اس جھکنے میں؟ اس کا رکوع اور دوسروں کا رکوع برابر نہیں ہو سکتا ہے۔

مٹانے کی پیاس اور بڑھی سجدے میں پڑ گیا، اپنے اللہ کے سامنے سجدے میں پڑا ہوا ہے، کیا کیفیت ہوگی اس سجدے کی؟ دوسروں کا سجدے اس سجدہ کے برابر نہیں ہو سکتا ہے۔ اس طرح عبادت کرنا کہ گویا اپنے اللہ کو دیکھ رہا ہے اس عبادت کی لذّت ہی اور ہوتی ہے۔ روزے میں بھوک پیاس میں دھیان بندھا ہوا ہے کہ میرا اللہ جس کے لیے میں بھوکا پیاسا ہوں میری بھوک اور پیاس کو دیکھ کر خوش ہو رہا ہے۔ حج کر رہا ہے گویا کہ اللہ کو دیکھ کر اللہ کے گھر کا طواف کر رہا ہے۔ کیا لطف اور کیا شان عبادت میں اس خیال یعنی احسان کی روح سے پیدا ہو جاتی ہے۔ جہاد کر رہے ہیں دھیان بندھا ہوا ہے کہ میاں اس منظر کو دیکھ رہے ہیں، جن کے لیے ہم جان قربان کر رہے ہیں وہ دیکھ رہے ہیں ؎

تو نیز بر سرِ بام آ کہ خوش تماشائی است

گویا کہ اپنے اللہ کو دیکھ رہا ہے۔ اس مراقبہ سے عجیب روح اور عجیب قوّت دل میں پیدا ہو گئی کہ سر میدانِ کفن بر دوش حاضر ہے۔ عزیز اور محبوب جان قربان کرنے کے لیے بزبانِ حال کہہ رہا ہے ؎

نہ شود نصیبِ دشمن کہ شود ہلاک تیغت
سرِ دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

۶۵؎ البقرۃ:۲۳۸

مال کا چالیسواں حصہ مستحقین کو دے رہا ہے کس طرح دے رہا ہے کہ میرا اللہ مجھ کو دیکھ رہا ہے۔ کس قدر لذّت اور کس قدر اخلاص اس مراقبہ کی برکت سے اعمال میں پیدا ہو جاتا ہے، اور سارے اعمال آسان اور لذیذ ہو جاتے ہیں۔ احسان کی برکت سے دین کی صحیح مٹھاس نصیب ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو احسان کی دولت نصیب فرمائیں۔ الحمد للہ! کہ احسان کی تفصیل کافی وافی حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی برکت سے بیان ہو گئی۔

(تمام شد)

ملفوظ ملقب بفنائیت کاملہ

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَا ابْنَ عُمَرَ! كُنْ فِي الدُّنْيَا كَاَنَّكَ غَرِيْبٌ اَوْ عَابِرُ سَبِيْلٍ، وَعُدَّ نَفْسَكَ مِنْ اَهْلِ الْقُبُوْرِ[۶۶]

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کا کندھا ہلا کر ارشاد فرماتے ہیں کہ اے عمر کے بیٹے! اس خطاب میں خاص بات ہے یعنی اے چودہ پیوند لگانے والے باپ کے بیٹے! باپ کی شرم رکھنا، ایک دن ایسا آنے والا ہے کہ خلیفۃ المسلمین کے صاحب زادے کہلاؤ گے ہر قسم کے ہدایا اور تحفے آئیں گے دنیا میں جی مت لگانا، دنیا میں اپنے آپ کو مقیم مت سمجھنا، باپ کے طرزِ زندگی کو مت بھولنا، یا ابن عمر فرما کر باپ کی طرف متوجہ فرمایا ہے کہ کس کے بیٹے ہو اور کندھا ہلا کر فرمایا تاکہ خوب سمجھ میں آجائے کُنْ فِي الدُّنْيَا كَاَنَّكَ غَرِيْبٌ دیکھو دنیا جائے مسافرت ہے۔ اصلی جڑ گمراہی کی یہی ہے کہ ہم دنیا کو مسافر خانہ نہیں سمجھتے جس کی وجہ سے ہم دنیا سے اس طرح دل لگا بیٹھتے ہیں کہ آخرت کی زندگی سے غافل ہو جاتے ہیں۔ بس یہ جانتے ہیں کہ دنیا ہی اصلی وطن ہے۔ خوب کھا پی لو، خوب ترقی کر لو، حالاں کہ آئے دن مرتے چلے جا رہے ہیں، ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سہ دری میں اپنے خاص حجرہ کے دروازے پر ایک تختی پر دو شعر لکھوا کر ٹانگ دیے تھے۔

رہ کے دنیا میں بشر کو نہیں زیبا غفلت

موت کا دھیان بھی لازم ہے کہ ہر آن رہے

---

[۶۶] سنن ابن ماجۃ: ۴۳۹/۲ (۴۱۱۴) باب مثل الدنیا، المکتبۃ الرحمانیۃ

جو بشر آتا ہے دنیا میں یہ کہتی ہے قضا
میں بھی پیچھے چلی آتی ہوں ذرا دھیان رہے

دنیا ایک مسافر خانہ ہے **کَاَنَّکَ غَرِیْبٌ** گویا کہ تم مسافر ہو، بس مسافرانہ طور پر رہو۔

مسافر در سرائے میہماں یک شب نمی ماند
اگر ماند شب ماند شب دیگر نمی ماند

مسافر ایک رات مشکل سے ٹھہرتا ہے چاہتا یہی ہے کہ ایک شب بھی نہ ٹھہرنا پڑے۔ دنیا کی محبت آخرت کے لیے سخت حجاب ہے۔ **حُبُّ الدُّنْیَا رَأْسُ کُلِّ خَطِیْئَۃٍ**[٦٧] آخرت کی تیاری کی توفیق اسی وقت ہوتی ہے جب قلب دنیا سے اُچاٹ رہے اور موت کا دھیان رہے۔ اپنے کو مسافر نہ سمجھنے کی وجہ سے زندگی کے عزیز وقت بجائے یادِ عزیز تعالیٰ شانہٗ میں صَرف ہونے کے مردار دنیا ہی کے پیچھے تباہ ہو کر رہ جاتے ہیں۔ دنیا فی نفسہٖ مذموم نہیں ہے، جب یہ دل میں گھُس جاتی ہے اس وقت مذموم ہو جاتی ہے۔

آب در کشتی ہلاک کشتی است
آب اندر زیر کشتی پشتی است

پانی جب تک کشتی کے نیچے ہو کشتی کے لیے پشتی ہے اور اگر کشتی کے اندر داخل ہو جائے تو کشتی کی ہلاکت کا سبب بن جاتا ہے۔ دنیا سے بے رغبتی دین کا پہلا سبق ہے۔ **کُنْ فِی الدُّنْیَا کَاَنَّکَ غَرِیْبٌ** میں زہد کی تعلیم دی گئی ہے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ زہد یعنی دل کا دنیا سے بے رغبت ہو جانا طریق کا اوّل قدم ہے۔ یہ **الف ب** ہے۔ مسافر کو کہاں کی فکر ہوتی ہے، پردیس میں کمانا ہے اس لیے کہ گھر لے چلیں گے بال بچے کھائیں گے۔ جب مسافر ہوگئے اور اس مقام میں رسوخ پیدا ہو گیا تو حکم فرماتے ہیں کہ اور ترقی کرو **اَوْ عَابِرُ سَبِیْلٍ** **اَوْ** معنٰی میں یہاں **بَلْ** کے ہے۔ **بَلْ** ترقی کے لیے آتا ہے یعنی یہ سفر ہے رکو مت چلتے رہو۔

اے برادر بے نہایت در گہہ ایست
انچہ بروئے میرسی بروئے مایست

---

٦٧ کنز العمال: ١٩٢/٣ (٦١١٤)، باب فی الاخلاق المحمودۃ والافعال المذمومۃ، مؤسسۃ الرسالۃ

اب تک تو مسافر تھے کبھی تھکاوٹ سے قیام بھی کر سکتے تھے۔ خواہ تھوڑی دیر کے لیے سہی مسافر ٹھہراؤ کر لیتا ہے کہیں بیٹھ کر دم لے لیتا ہے۔ مگر یہ تو ابتدائی درجہ ہے۔ یہ درجہ مبتدی کا درجہ ہے یہ بارگاہِ ایزدی کا راستہ ہے کسی مقام پر قناعت مت کرنا۔

اے برادر بے نہایت در گہہ ایست
انچہ بروئے میر سی بروئے مایست

اب اس طرح سفر کرو جس طرح کوئی عبور کرتا ہے۔ اب تک مسافر تھے پہلے عبور کی صلاحیت نہ تھی اس لیے اتنا بار اوّل ہی سے نہیں رکھا گیا۔ اوّلاً مسافرت کی مشق کرائی گئی اور کچھ آرام کا لالچ بھی دے دیا گیا۔ کیوں کہ مسافر راحت کے لیے ٹھہر بھی سکتا ہے اسی کا نام تربیت ہے۔ پھر جب مزہ مل جاوے گا تو خود ہی چین سے نہ بیٹھے گا، حضرت عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

گر بہ بینی یک نفس حُسن ودُود
اندر آتش افگنی جان و وُدود

نفس تو تامست نقل است و نبیز
وانکہ روحت خوشۂ غیبی ندید

راہ میں قدم تو رکھ لینے دو پھر تو راہِ حق خود ہی اپنی طرف کھینچ لے گی۔ کچھ دن تو مسافر رہے گا پھر طلب اور غلبۂ شوق چین سے نہ بیٹھنے دے گا اور بجائے مسافر کے عابر ہو جاوے گا۔ کیا کیا اسرار ان کلماتِ جامعہ میں بھرے ہوئے ہیں۔ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام ہے۔ عبور میں اب آرام کرنا اور دم لینا بھی ختم کرو یعنی اب برابر راستہ قطع کرتے رہو۔ حضرت رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں طالبِ راہ اوّل پیٹ پر مشقت برداشت کرتا ہے اور جب انوارِ طاعت اس کی روح پر اثر کرتے ہیں تو جانِ عزیز بھی قربان کر دیتا ہے چناں چہ فرماتے ہیں۔

ہر کجا مرد مجاہد نان دہد
چوں براوزو نور طاعت جاں دہد

یعنی اس راہ میں درجات ہیں۔ ترقی ہوتی رہتی ہے۔ جب مسافر تھا مبتدی تھا اب عابر ہوا تو متوسط

ہوا، اب عبور کررہا ہے۔ اب تک خشکی کا سفر تھا اب دریا کا سفر ہے یعنی اب دریائے معرفت میں عبور کررہا ہے، بس چلتے رہو۔ ابھی اس کے آگے ایک اور مقام ہے ابھی تو کسی قدر نفس کے ساتھ لگاؤ ہے کیوں کہ عبور میں اپنے ہاتھ پاؤں کام کرتے رہتے ہیں۔ نفس کے ساتھ نسبت کا استحضار باقی رہتا ہے لیکن جب عبور میں رسوخ ہوجاتا ہے تو وَعُدَّ نَفْسَكَ مِنْ اَهْلِ الْقُبُوْرِ کا حکم ہوتا ہے یعنی اب نسبت مع اللہ میں اتنی قوت پیدا ہوچکی ہے کہ تفویض اور توکل تام کرکے اپنے کو اس حقیقی زندہ کے سامنے مردہ سمجھے اور بالکل میاں کے حوالے ہوجائے۔

مردہ شوتا مخرج الحی الصمد

زندۂ زیں مردہ بیروں آورد

یہ سلوک کا انتہائی مقام ہے اب ہاتھ پاؤں کا گزر نہیں ہے اب حق تعالیٰ شانہ اپنی نگاہِ کرم کے سہارے طے کرائیں گے۔ کیوں کہ بحر ناپیدا کنار میں ہاتھ پاؤں کب تک کام دیں گے، آخر کار ہاتھ پاؤں ایک وقت جواب دے دیتے ہیں اور ڈوبنا پڑتا ہے۔ بس بدوں فنائیت اب چارہ نہیں ہے۔

بحر ایست بحر عشق کہ ہیچش کنارہ نیست

دریجا جزانیکہ جاں بسپارند چارہ نیست

یہی سلوک کا انتہائی مقام ہے یعنی فنائیت، اسی کو حضرت عارف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

راہِ فانی گشتہ راہ دیگر است

زانکہ ہوشیاری گناہِ دیگر است

وَعُدَّ نَفْسَكَ مِنْ اَهْلِ الْقُبُوْرِ یہ منتہی کا سبق ہے چوں کہ مخاطب میں استعداد تھی اس لیے ایک ہی مجلس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ ابنِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو مبتدی سے متوسط اور متوسط سے منتہی بنادیا اور اس میں اشکال کیا ہوسکتا ہے جبکہ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کندھے پر اس وقت رحمۃ للعالمین کے دستِ مبارک تھے۔ فنائیتِ تامہ سے مراد یہ ہے کہ بندہ اپنی ہستی اور صفاتِ ہستی سے بے خبر ہوجائے۔

حق تعالیٰ کی عظمت کے سامنے اپنا فانی وجود ہیچ در ہیچ کالمعدوم معلوم ہو۔ جس طرح ایک معمولی چراغ آفتاب کے سامنے معدوم ہوتا ہے۔ لیکن یہ عدم حقیقی عدم نہیں ہوتا ہے۔ چناں چہ اس چراغ کی لو پر روئی رکھنے سے اس وقت بھی فوراً دھواں نکلے گا جس سے معلوم ہوگا

اس وقت بھی اس کا وجود مع اپنے صفات کے باقی ہے لیکن نور آفتاب کے سامنے مضمحل اور نیست ہے۔

پس اس فنائیت سے مراد ایک خاص اصطلاحی فنائیت ہے یعنی اس حالت میں بندہ اپنے ارادوں کو اور اپنے مرضیات کو مرضیاتِ الٰہیہ کے اور اراداتِ الٰہیہ کے تابع کر دیتا ہے، اب حق تعالیٰ کی نگرانی خاص میں یہ سفر کرتا ہے۔ مگر یہ نگرانی خاص اور معیت خاص مسافرت اور درجۂ عبور کے بعد ہی نصیب ہوتی ہے۔ یعنی پہلے بندوں سے مجاہدہ کراتے ہیں جب بندہ درجۂ مسافرت اور درجۂ عبور میں اپنے ہاتھ پاؤں مار کر تھک جاتا ہے تو چوں کہ اس بندے کے بس اور اختیار میں جو کچھ تھا اس نے اپنی طرف سے قربان کر دیا تو حق تعالیٰ کی رحمت اس کی نیم جان کو خرید کر اس کے عوض میں صد جان عطا کرتے ہیں۔

نیم جاں بستاند و صد جان دہد
انچہ در دہمت نہ آید آں دہد

نے ہمیں ملکِ جہاں دوں دہد
بلکہ صدہا ملک گوناں گوں دہد

حضرت عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ بندوں سے مجاہدات میں نیم جان لیتے ہیں اور اس کے عوض سو جانیں عطا فرماتے ہیں اور ایسی ایسی باطنی نعمتیں عطا فرماتے ہیں جو کہ تمہارے وہم و گمان میں بھی نہیں آسکتی تھیں نہ صرف یہ کہ یہی ملک دنیائے دوں عطا فرماتے ہیں بلکہ سینکڑوں انوار و اقسام کے ملک عطا فرماتے ہیں۔

اصحابِ کہف کی تربیت کس طرح فرمائی گئی تھی۔ سورج کو حکم ہورہا ہے کہ اے آفتاب! کترا کر جا، یہاں ہمارے اولیاء سورہے ہیں، اس قدر رعب طاری فرمادیا کہ وہاں کسی مخلوق کا گزر نہ ہوسکے تاکہ شور و غل نہ ہو اور ہمارے اولیاء سکون سے سوئیں، اللہ اکبر! ان کی رحمت کا کیا ٹھکانا ہے۔ وہ مخلوق جن کو اہلِ دنیا بہت گھٹیا درجے کا سمجھتے تھے اصحابِ کہف میں کوئی باورچی تھا، کوئی نانبائی تھا اسی قسم کے چند افراد کی جماعت تھی جو ایمان اور تقویٰ کی برکت سے اللہ تعالیٰ کے ولی ہوگئے۔

کشتگانِ خنجر تسلیم را
ہر زماں از غیب جانِ دیگر است

اپنے کو اہلِ قبور میں سے شمار کرنا یہ سب سے اونچا مقام ہے، کیوں کہ یہ بندہ مرنے سے پہلے ہی اپنے کو مرا ہوا سمجھتا ہے۔ مرنے کے وقت جس طرح مرنے والا تمام علائق سے تمام رشتوں سے کٹ کر پروردگارِ عالم کی طرف چل دیتا ہے تو اس کا چلنا اس وقت میں اضطراری ہوتا ہے یہ مجبوری کا چلنا ہے، کمالِ ایمان یہ ہے کہ حیات دنیا میں ہی قلب کو حق تعالیٰ کے لیے تمام تعلقاتِ فانیہ سے فارغ کرلے، اور بقدرِ ضرورت دنیا کے کاموں میں مشغول ہونا، بیوی بچوں کے حقوق ادا کرنا، دوست احباب کے حقوق ادا کرنا اس فنائیت کے منافی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کی نیت سے ہے۔ ادائیگیٔ حقوق میں جو مشغولی ہوتی ہے وہ بھی عین دین ہے کیوں کہ "دست بکار دل بیار" پر عمل کررہا ہے۔ اسی کو حضرت عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

چیست دنیا از خدا غافل بدن
نے قماش و نقرہ و فرزند وزن

مگر مشاغلِ ضروریہ اور مشاغلِ غیر ضروریہ میں فرق کرنا اہلِ نفس اور اہلِ ہویٰ کا کام نہیں ہے۔ یہ کام اہل اللہ کا ہے۔ ان سے مشورہ کرتا رہے فَسۡـَٔلُوۡۤا اَهۡلَ الذِّكۡرِ اِنۡ كُنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ [۶۸] جن باتوں کا تمہیں علم نہ ہو ان کو اہلِ ذکر سے پوچھتے رہا کرو۔ اہلِ ذکر سے مراد اہلِ علم ہیں، مگر ان کو اہلِ ذکر اس لیے فرمایا تاکہ معلوم ہو جائے کہ مراد اہلِ علم سے وہ ہیں جن پر خداوند تعالیٰ کی یاد غالب ہو۔ غفلت زدہ دل دوسرے کو کب بیدار کرسکتا ہے۔ جب کسی اللہ والے سے اصلاح کی نیت سے تعلق پیدا کروگے تو وہ اللہ والا تمہاری نفسانی تاویلات کا بخیہ اُدھیڑ کر سامنے رکھ دے گا، وہ نفس کے صحیح حقوق اور حظوظ (خواہشات) میں فرق کر دکھائے گا یعنی حظوظ کو ترک کرائے گا اور حقوق کو ادا کرائے گا۔ طالبِ صادق اوّل اپنی رائے اور تجویز کو فنا کرتا ہے اور شیخ جو اس کا مربّی ہے اس طالب کے نفس پر الہاماتِ غیبیہ کے مطابق تصرف کرتا ہے۔ چند دن مجاہدے کے بعد یہی

[۶۸] النحل: ۴۳

نسبتِ فنائیت حق تعالیٰ کی طرف منتقل ہو جاتی ہے اور اس طالب کو حق تعالیٰ کے ساتھ اسی تفویض اور تسلیم کا تعلق نصیب ہو جاتا ہے، اس وقت اس کی شان یہ ہو جاتی ہے ؂

عاشقم بر قہر و بر لطفش بجد
اے عجب من عاشق ایں ہر دو ضد

عاشقم بر رنج خویش و درد خویش
بہر خوشنودی شاہ فرد خویش

ناخوش او خوش بود بر جانِ من
جاں فدائے یار دل رنجان من

کوئی کہہ سکتا ہے کہ شروع ہی سے فنائیت کا مقام حاصل ہو جائے تو کیا حرج ہے۔ درمیان میں ابتدا اور توسط کے درجوں کی کیا ضرورت ہے، اوّل ہی قدم میں منتہی کا سبق پڑھا دیا جائے۔ تو اس کا جواب یہی ہے کہ اس طرح جو ترقی ہوتی ہے وہ مہلک ہوتی ہے کیوں کہ اعلیٰ درجہ کی استعداد اور صلاحیت نیچے ہی کے درجوں کی تکمیل سے حاصل ہوتی ہے ایسی ترقی تربیت کے منافی ہے۔ تربیت کہتے ہیں کسی ناقص کو اس کے درجۂ کمال تک تدریجاً پہنچا دینا۔

ایک واقعہ یاد پڑا، حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے یہ قصہ سنایا تھا ایک بزرگ کے یہاں چند مہمان آ گئے اس وقت ان کے گھر کھانے کو نہ تھا پڑوس میں ایک باورچی تھا اس کو معلوم ہوا تو سب مہمانوں کے لیے عمدہ کھانا پکا کر لے آیا۔ یہ بزرگ اس باورچی سے بہت خوش ہوئے اور فرمایا: اچھا بھائی تم کیا چاہتے ہو؟ اس نے عرض کیا: حضرت اپنے ہی جیسا بنا دیں۔ آپ نے ایک کمرے میں اس کو توجہ دی۔ اس توجہ کا نام حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے توجہ اتحادی فرمایا تھا وہ خاص وقت ظہورِ کرامت کا تھا، کمرہ کھلتا ہے تو باورچی اور شیخ میں فرق نہ تھا ظاہری صورت اور باطنی سیرت یکساں ہو گئی مگر باورچی کا چند منٹ میں انتقال ہو گیا۔ دنیا سے تو ولی کامل بن کر گیا لیکن اس انتقال کا سبب یہ ہوا کہ اس باورچی کی روح شیخ کی اتنی قوی نسبت کی متحمل نہ ہو سکی۔ ان بزرگ کے اجتہاد میں اس عدم تحمل کا گمان نہ تھا۔ اس لیے مسافرت سے استعداد کی تکمیل شروع کرائی گئی اور عبور سے اس استعداد میں اتنی قوت پیدا ہو گئی جو عُدَّ نَفْسَكَ مِنْ اَهْلِ

اَلْقُبُوْرِ کی نسبت کا بار اُٹھالے۔ اور ایک حکمت اور ہے اس کو ایک مثال سے سمجھیے۔

ایک پھل دار درخت ہے اس درخت کے پھلوں کا طالب درخت تک پہنچنے کے ارادے سے چل کھڑا ہوا اگر درمیان ہی میں ہاتھ پاؤں ڈال کر لیٹ جائے اور سفر بند کردے تو یہ پھلوں سے محروم رہے گا اور درخت تک پہنچ گیا اور درخت کے سایہ میں لیٹ گیا تو اب بدوں سفر اور عبور کے بھی پھل اس کے منہ میں گریں گے۔ یہی حال سالک اور طالب کا ہے کُنْ فِي الدُّنْيَا كَاَنَّكَ غَرِيْبٌ کا درجہ اور اَوْعَابِرُ سَبِيْلٍ کا درجہ یہ راستے کے منازل ہیں ابھی یہ واصل نہیں ہوا ہے اگر ان ہی درجوں میں ہاتھ پاؤں ڈالے گا اور سفر اور عبور بند کردے گا تو مقصود تک نہ پہنچ سکے گا اور قبل وصول مقصود ہاتھ پاؤں ڈال کر لیٹ رہنے سے ثمراتِ قرب سے محروم رہ جائے گا کیوں کہ ابھی نفس میں نگاہِ خاص سے تربیت کی صلاحیت نہ ہوئی تھی عُدَّ نَفْسَكَ مِنْ اَهْلِ الْقُبُوْرِ کا مقام منتہی کا مقام ہے۔

منتہائے سیر سالک شد فنا
نیستی از خود بود عین البقا

اس مقام پر سالک کی نسبت میں تفویض تام کی قوت پیدا ہو جاتی ہے۔ اس مقام پر پہنچ کر بندہ ہر وقت اپنے اوپر حق تعالیٰ کی نصرتِ غیبیہ کا منتظر رہتا ہے اور اس کے ہاتھ، پاؤں، آنکھ، کان سارے اعضاء پر حق تعالیٰ کی خاص نگاہِ کرم کا فیض پڑتا رہتا ہے جس کی برکت سے تمام اعضاء مرضیاتِ الٰہیہ کے تابع ہو کر حرکت اور سکون اختیار کرتے ہیں۔ یہی وہ مقام ہے جس کی حدیثِ قدسی میں بشارت دی گئی ہے اور جس کو حق تعالیٰ نے فرمایا ہے اور راوی اس کے سیدنا حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں۔ حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: میں اپنے مقرب اور محبوب بندوں کی بینائی ہو جاتا ہوں وہ میری آنکھ سے دیکھتے ہیں، اور میں ان کی شنوائی ہو جاتا ہوں وہ میرے کان سے سنتے ہیں، میں ان کا دست وپا ہو جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتے ہیں اور جس سے وہ چلتے ہیں[۲۹] (اس حدیث کی پوری شرح حضرت پھولپوری مدظلہم کی تصنیف ”معیتِ الٰہیہ“ میں ملاحظہ فرمالیں، جامع۔) بندہ اس وقت حق تعالیٰ شانہٗ کے اشارے پر چلتا ہے۔ جدھر وہ چاہے اسی طرف چلاتے ہیں، تائیدِ غیبی سے اس کا ہر ارادہ ارادۂ حق کے مطابق ہوتا ہے۔

۲۹؎ صحیح البخاری: ۲/۹۶۳ (۶۵۴۱)، باب التواضع، المکتبۃ المظہریۃ

رشتہ در گردنم افگندہ دوست
می برد ہر جا کہ خاطر خواہ اوست

اس مقام کے متعلق حضرت عارف فرماتے ہیں ؂

چوں انائے بندہ لاشد از وجود
پس چہ باشد تو بیندیش اے جحود

چوں زخود رستی ہمہ برہان شدی
چوں کہ گفتی بندہ ام سلطاں شدی

چوں بمردم از حواس بو البشر
حق مراشد سمع و ادراک وبصر

گر بجہل آئیم آں زنداں اوست
گر بعلم آئیم آں ایوان اوست

گر بخواب آئیم مستان وے ایم
در بہ بیداری بدستان وی ایم

تو مباش اصلا کمال این است بس
رو درو گم شو وصال این است وبس

غلبۂ استحضارِ عظمتِ حق تعالیٰ شانہ ‘سے اس بندۂ عارف فانی کو اپنی ہستی اور ہستی کے صفات وآثار سے ذہول ہو جاتا ہے۔ دنیا میں بھی اس کا مشاہدہ موجود ہے کسی بڑے حاکم کے سامنے ایک معمولی آدمی جب کھڑا ہوتا ہے تو اس کے حواس غلبۂ ہیبت اور عظمت سے مغلوب ہو جاتے ہیں۔ یہی راز ہے جب حق تعالیٰ شانہ ‘ انبیاء علیہم السلام سے قیامت کے دن دریافت فرمائیں گے کہ تمہاری اُمّتوں نے تم لوگوں کو کیا جواب دیا مَاذَآ اُجِبْتُمْ تو حضرات انبیاء علیہم السلام جواب دیں گے: لَا عِلْمَ لَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ [۷] ہم کو کچھ معلوم نہیں ہے

---

[۷] المائدۃ:۱۰۹

شک آپ ہی علام الغیوب ہیں۔ حالاں کہ اُمّتوں کے جوابات ان پر بیتی ہوئی باتیں ہیں۔ کیسے کیسے مظالم اور تکالیف اُمّتوں کی طرف سے برداشت کیے ہیں۔ کتنے انبیاء علیہم السلام کو ان کی اُمّتوں نے شہید کر دیا ہے، مگر حق تعالیٰ شانہٗ کی اس دن یعنی یوم الحساب اس قدر جلالت اور عظمت اور شانِ قہاریت کا ظہور ہو گا کہ اس کے مشاہدے سے انبیاء علیہم السلام تک کے پِتّے پانی ہو جائیں گے اور مشاہدۂ عظمتِ الٰہیہ کا ایسا غلبہ ہو گا کہ اُمّت کے جوابات جو خود ان پر طرح طرح کے شدید مصائب کی صورتوں میں گزر چکے ہیں بھول جائیں گے، نہ اپنی مظلومیت کے واقعات یاد آئیں گے نہ اپنی مقتولیت یاد آئے گی جو اس کے خزانے میں سب کچھ موجود ہو گا مگر غلبۂ ہیبتِ حق سے اس وقت سارے معلومات پردۂ ذہول میں ہو جائیں گے۔ سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو دُعا فرمائی کہ اے اللہ! جس دن لوگ اُٹھائے جائیں گے اس دن مجھے رسوا نہ فرمایئے گا۔ وَ لَا تُخْزِنِیْ یَوْمَ یُبْعَثُوْنَ[1] اس دُعا میں بھی یہی راز ہے یعنی استحضار اور مشاہدۂ عظمت و جلالتِ شانِ الوہیت نے شانِ خلت کو پردۂ ذہول میں کر دیا، ورنہ یہ اشکال ہوتا ہے کہ جس عبدیت پر شانِ خلت کا تاج رکھا گیا ہو وَاتَّخَذَ اللّٰہُ اِبْرٰهِیْمَ خَلِیْلًا[2] اور اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو اپنا خلیل بنالیا۔ خلیل کہتے ہیں گاڑھے دوست کو۔ تو اس بشارتِ الٰہیہ کے ساتھ بدگمانی لازم آتی ہے۔ کیوں کہ کوئی دوست اپنے دوست کو دنیا میں بھی رسوا نہیں کرتا ہے۔ پھر حق تعالیٰ جیسے صادق الوعد وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِیْلًا[3] جن کی شان ہے ان کی شان کیا ہو گی؟ اس تقریر میں اس اشکال کا شافی وافی جواب موجود ہے یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام پر اس وقت ہیبتِ حق کا حال غالب تھا۔ جس کی وجہ سے سیدنا ابراہیم علیہ السلام اپنی صفتِ خلت کو بھول گئے۔ پس فنائیتِ سے مراد فنائیتِ اصطلاحی اعتباری ہے فنائیت لغوی نہیں ہے یعنی بندہ اپنے وجود کو حق تعالیٰ کی عظمتِ شان کے سامنے بالکل مضمحل ہیچ در ہیچ کالعدم محسوس کرنے لگا ہے اور یہ احساس درجۂ عین الیقین میں پہنچ جاتا ہے اور ان کا یہ ادراک محض تصور نہیں ہوتا بلکہ درجۂ تصدیق کی شان رکھتا ہے۔

---

[1] الشعرآء:٨٧
[2] النسآء:١٢٥
[3] النسآء:١٢٢

ہمہ ہرچہ ہستند ازاں کمتر اند
کہ باہستیش نام ہستی برند

چراغ کی روشنی غلبۂ نورِ آفتاب سے اس قدر مضمحل اور ضعیف ہو جاتی ہے کہ اس کی ہستی اور صفاتِ ہستی پر گویا کہ عدم اور فنائے تام طاری ہو جاتا ہے، لیکن یہ فنائیت حسّی نہیں ہوتی ہے، اس کی نیستی اس معنٰی کے اعتبار سے ہے کہ اس کی روشنی کے آثار آفتاب کے سامنے مضمحل ہو جاتے ہیں۔ اسی کو حضرت عارف رومی فرماتے ہیں۔

چو زمانہ شمع پیش آفتاب
نیست باشد ہست باشد در حساب

نیست باشد روشنی نہ دہد ترا
کردہ باشد آفتاب اورا فنا

پس مرنے سے پہلے اپنے کو مردہ شمار کرنا باعتبارِ اضمحلال واحتیاج اور ضعف و عجز اور فقر عبدیت کے ہے، اور استحضارِ عظمت و قوت و جلالت شانِ صمدیت کے باعث ہے۔ اسی تقریر سے وحدت الوجود کا مسئلہ بھی حل ہو جاتا ہے یعنی حق تعالیٰ شانہٗ کے سامنے تمام موجودات بوجہ اپنے حدوث اور ضعف کے اور سراپا محتاج ہونے کے اس ذاتِ ازلی قدیم کے کالعدم ہیں۔

چوں سلطان عزت علم بر کشد
جہاں سر بجیب عدم در کشد

اگر آفتاب است یک ذرّہ نیست
وگر ہفت دریاست یک قطرہ نیست

چوں کہ اہل اللہ کو، عارفین کو کثرتِ ذکر اللہ کے انوار سے عظمتِ الٰہیہ کی معرفت اوروں سے زیادہ ہوتی ہے اور اسی استحضارِ عظمتِ حق کی وجہ سے ان پر ایسا حال طاری ہو جاتا ہے کہ غیر حق کا وجود پردۂ ذہول میں ہو جاتا ہے جس کو ہمارے خواجہ صاحب مجذوب رحمۃ اللہ علیہ نے اس شعر میں خوب فرمایا ہے۔

جب مہر نمایاں ہوا سب چھپ گئے تارے
وہ ہم کو بھری بزم میں تنہا نظر آئے

بس اسی کا نام وحدت الوجود ہے۔ حدیث شریف میں وارد ہے کہ مرنے سے پہلے ہی مر جاؤ مُوْتُوْا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا [۴۷] مرنے سے پہلے مر جانے کا کیا مطلب ہے؟ اس حدیث کا مطلب کوئی شخص ہر گز لغت سے حل نہیں کر سکتا ہے۔اس حدیث کی شرح اسی حدیث وَعُدَّ نَفْسَكَ مِنْ اَهْلِ الْقُبُوْرِ میں موجود ہے یعنی اپنے کو اہلِ قبور میں سے شمار کرو۔ اپنے کو بالکل حق تعالیٰ کے سپرد کردو جس طرح چاہیں تصرف فرمائیں۔ كَالْمَيِّتِ فِيْ يَدِ الْغَسَّالِ جس طرح مردہ غسل دینے والے کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ اور اللہ اپنے بندوں کے لیے کافی وافی ہے۔خود ہی ارشاد فرماتے ہیں کہ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ [۴۵] کیا اللہ اپنے بندہ کے لیے کافی نہیں ہے؟

پس کمالِ ایمان یہی ہے کہ تمام اسبابِ تدابیر سے، تمام علائق سے نظر اُٹھ جائے، اعتماد صرف اپنے پروردگارِ حقیقی پر ہو، اور حکم سمجھ کر تدابیر بھی اختیار کرلے لیکن اعتقاد یہی رہے کہ؎

کار ساز ما بساز کارما
فکر مادر کارما آزارما

حضرت رومی رحمۃ اللہ علیہ کا شعر تو یوں تھا؎

کار ساز ما بفکر کارما

مگر حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حق تعالیٰ کی ذات پاک ہے فکر سے، فکر شانِ ضعیف اور عاجز کی ہے مگر مولانا غلبۂ حال میں فرماگئے۔چوں کہ ماں باپ اولاد کی راحت کے لیے فکر مند رہتے ہیں اور دنیا میں ماں باپ کی محبت و شفقت بے مثال ہے اسی لیے لفظ فکر لائے ہیں جس سے مولانا کی مراد غایتِ رحمت کو بیان کرنا ہے لیکن میں اس شعر کو اس طرح پڑھتا ہوں؎

---

[۴۷] الموضوعات الکبیر لملا علی قاری:۷۵

[۴۵] الزمر:۳۶

کار ساز ما بساز کارما
فکر ما در کارما آزارما

تفویض و تسلیم توکل ورضا بالقضا یہ سب وَ عُدَّ نَفْسَكَ مِنْ اَهْلِ الْقُبُوْرِ کے آثار و ثمرات ہوتے ہیں۔ یہ مقام حق تعالیٰ شانہٗ اپنے اولیاء کو عطا فرماتے ہیں۔ الحمد للہ! کہ اس حدیث کی شرح حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی برکت سے خوب ہوگئی۔

وَمَا تَوْفِيْقِيْ اِلَّا بِاللهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ۔
اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِيْ فِيْ عَيْنِيْ صَغِيْرًا وَّفِيْ اَعْيُنِ النَّاسِ كَبِيْرًا [۷۶]

ترجمہ: اے اللہ مجھ کو میری نگاہ میں حقیر فرمادیجیے اور لوگوں کی نگاہ میں کبیر فرمادیجیے۔

قلب میں گناہوں سے زنگ لگ جاتا ہے جس طرح لوہے میں پانی لگنے سے لوہا زنگ آلود ہو جاتا ہے لوہے کا جلا اور اس کی صفائی نار سے کرتے ہیں اور قلب کے زنگ کی صفائی نور سے کرتے ہیں، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: اِنَّ هٰذِهِ الْقُلُوْبَ تَصْدَاُ كَمَا يَصْدَاُ الْحَدِيْدُ اِذَا اَصَابَهُ الْمَاءُ قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَا جِلَاؤُهَا قَالَ كَثْرَةُ ذِكْرِ الْمَوْتِ وَتِلَاوَةُ الْقُرْآنِ [۷۷] بیشک قلوب زنگ آلود ہو جاتے ہیں جس طرح لوہے میں زنگ لگ جاتا ہے جبکہ اس کو پانی پہنچ جائے اور اس کی صفائی بذریعۂ تلاوت اور ذکر ہوتی ہے۔ ذکر کے بہت سے انواع ہیں جس قسم کا زنگ لگتا ہے اسی کے مناسب مربی اور طبیب روحانی ذکر بھی تجویز کرتا ہے۔ جس طرح امراض مختلف ہوتے ہیں دوائیں بھی مختلف خاصیات کی ہوتی ہیں۔ دوا اور مرض میں مناسبت طبیب تجویز کرتا ہے، مریض بوجہ علیل الرائے ہونے کے صحیح تجویز کی صلاحیت اور استعداد نہیں رکھتا ہے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ طبِ جسمانی اور طبِ روحانی کے کلیات ایک دوسرے سے بہت ملتے جلتے ہیں، اور فرماتے تھے کہ عالمِ شہادت عالمِ غیب کا نمونہ ہے۔ حضرت عجیب عجیب کلیات فرمایا کرتے تھے جن سے آج ہم لوگ فائدے اُٹھا رہے ہیں۔ مرض کے لحاظ سے ذکر کا تجویز کرنا یہ روحانی طبیب یعنی مصلح اور مربی کا کام ہے۔

---

[۷۶] مسند البزار: ۳۱۵/۱۰ (۴۴۳۹)، مکتبۃ العلوم والحکم مدینۃ المنورۃ
[۷۷] شعب الایمان: ۳۹۲/۳ باب تعظیم القرآن، مؤسسۃ الرسالۃ

چند خوانی حکمتِ یونانیاں
حکمتِ ایمانیاں راہم بخواں

صحت ایں حس بجوئید از طبیب
صحت آں حس بجوئید از حبیب

یہ راستہ بدوں مربی کے پُر خطر ہے۔ بڑے بڑے باریک نفس کے پردے ہیں اس کی چالوں سے مصلح ہی آگاہ کرتا ہے اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ [۷۸] بے شک نفس تو بُری ہی بات بتلاتا ہے۔ ذکر اور تلاوت کرتے کرتے قلب میں عُجب پیدا ہو گیا، اپنی نگاہ میں اپنے کو اچھا سمجھنے لگا۔ اور اس راہ میں مقصود یہ ہے کہ اپنے کو سب سے کمتر حقیر دیکھے۔ لوگ اس کو اچھا کہیں مگر یہ اپنے کو سب سے برا سمجھے، کیوں کہ فیصلہ لوگوں کے ہاتھ میں نہیں ہے فیصلہ تو اللہ واحد قہار فرمائیں گے۔ جب خاتمہ ایمان پر ہو جائے اس وقت ہم شکر بجالائیں اور خوش ہوں۔ حضرت بڑے پیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

ایمان چو سلامت بہ لب گور بریم
احسنت بریں چستی و چالاکی ما

خود پسندی اور خود بینی میں عجیب بات ہے کہ بندہ اپنی نگاہ میں اچھا ہوا اور خداوند کی نگاہ میں اسی وقت بُرا ہوا اور تمام محاسن اور خوبیوں پر پانی پھر جاتا ہے۔

خواجہ پندارد کہ دارد حاصلے
حاصلِ خواجہ بجز پندار نیست

خود بینی اور خود پسندی کے علاج کے لیے ایک دُعا حضور صلی اللہ علیہ وسلم تعلیم فرماتے ہیں:

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِیْ فِیْ عَیْنِیْ صَغِیْرًا وَّفِیْ اَعْیُنِ النَّاسِ کَبِیْرًا

ترجمہ: اے اللہ! مجھ کو میری نگاہ میں بہت ہی کمتر اور چھوٹا کر کے دکھایئے اور لوگوں کی نگاہ میں بڑا کر کے دکھا دیجیے۔

---

[۷۸] یوسف: ۵۳

خود کو بڑا سمجھنا یہ عبدیت کے منافی ہے۔ کیوں کہ عبدیت کے معنیٰ لغت میں تذلیل اور خواری کے ہیں، بندہ اور غلام کی شان بندگی اور خواری ہے ؎

ز خاک آفریدت خداوند پاک
پس اے بندہ افتادگی کن چو خاک

وَ عِبَادُ الرَّحۡمٰنِ الَّذِیۡنَ یَمۡشُوۡنَ عَلَی الۡاَرۡضِ ہَوۡنًا [۷۹] اللہ تعالیٰ کے محبوب اور مقرب بندے زمین پر اپنی غلامی اور بندگی کی شان لیے ہوئے چلتے ہیں۔ وہ شان بندگی کیا ہے؟ ھَوۡن ہے، جس کے معنیٰ تذلیل اور خواری کے ہیں۔ ان کی چال بتاتی ہے کہ یہ اللہ کے غلام ہیں، اللہ کی زمین پر ھَوۡن کے ساتھ چل رہے ہیں۔ چوں کہ یہ بندگی اور ذلّت، عظمت اور جلالت معبودِ حقیقی کے لیے ہے اس لیے لاکھوں عزتیں اس غلامی اور خواری پر قربان ہیں ؎

بندگی رو بہ از سلطانی است
کہ انا خیر دمِ شیطانی است

دوسروں کا بڑا سمجھنا یہ منافی عبدیت نہیں ہے بلکہ مطلوب ہے، اس کے لیے دُعا کی تعلیم فرمائی گئی کیوں کہ بندے کو ایک تعلق تو اپنی ذات سے ہے کہ عین عبدیت اور ذلّت و خواری کو چاہتا ہے اور دوسرا تعلق اپنے خالق سے ہے کہ بندہ ہے کس کا، یہ نسبت چاہتی ہے کہ لوگوں میں مکرم اور معزز ہو دوسرے اس کو اس حیثیت سے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا بندہ ہے اس کو حقیر نہ سمجھیں اور اس نسبت مع اللہ کا احترام و اکرام بجالائیں اسی طور سے بندوں کی دونوں نسبتوں کا حق ادا ہوگیا۔ سبحان اللہ! حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کلماتِ جامعہ کس قدر علوم رکھتے ہیں۔ اور اس اشکال کی جڑ بھی کٹ گئی کہ لوگوں کی نگاہوں میں بڑے ہونے کی درخواست سے بظاہر طلبِ جاہ عند الناس لازم آتا ہے اور یہ مذموم ہے۔ جب اپنے کو بڑا سمجھ کر لوگوں سے جاہ و مرتبہ کا استحقاق ظاہر کرے اور یہ خود اپنی نگاہ میں اپنے کو سب سے ارذل مخلوق ایک گناہ گار ذلیل و خوار بندہ سمجھ رہا ہے تو حکم سمجھ کر حق تعالیٰ شانہٗ سے دُعا کر رہا ہے کہ میں تو اس لائق نہیں ہوں کہ میری لوگوں میں کوئی وقعت ہو یہ آپ کی ستاری ہے ورنہ اگر میرے چاہنے والوں پر میرے اترے پترے کھل جاویں تو سب متنفر ہو جائیں، میں آپ کا سب سے گناہ گار

۷۹؎ الفرقان: ۶۳

اور بدتر بندہ ہوں، مجھ کو میری نگاہ میں میری عزت کی چیز یعنی بندگی اور غلامی والی ذلّت وخواری دکھادیجیے تاکہ میں اپنے کو اچھا اور بڑا نہ سمجھوں اور اپنے کو سب سے کمتر سمجھوں بس اسی جملے میں جاہ کی جڑ کٹ گئی۔ آگے دوسرے جملے میں بندے کو جو نسبت حق تعالیٰ کے ساتھ ہے اس کا لحاظ کیا گیا ہے اور عرض کرتا ہے کہ میں آپ کا بندہ ہوں اس لیے لوگوں کی نگاہوں میں بڑا کرکے دکھادیجیے کہ لوگ آپ کے بندے کو ذلیل نہ سمجھیں۔ ایک صورت یہ بھی ہوتی ہے (اور اللہ تعالیٰ اس حالت سے پناہ میں رکھیں) کہ بندہ خود کو بڑا سمجھے اور لوگ اس کو ذلیل سمجھیں۔ اس صورت میں دنیا اور آخرت دونوں کا بھاگنا ہے۔ عبدیت بھی ہاتھ سے گئی اور عزت بھی۔ عزت حقیقی یہ ہے کہ بندے کی تواضع اور پستی دیکھ کر حق تعالیٰ اس کو رفعت اور عزت بخش دیں جیسا کہ وعدہ ہے مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰہِ رَفَعَهُ اللّٰهُ[۸۰] جس نے اللہ کی عظمت اور اپنی ذلّت کے استحضار سے اپنے کو گرادیا اور گرا ہوا سمجھا تو اللہ تعالیٰ اس کو بلند فرمادیتے ہیں، اور اس کے برعکس اگر خود کو بڑا سمجھا تو حدیث شریف میں آیا ہے کہ حق تعالیٰ ایسے شخص کو لوگوں کی نگاہوں میں سور اور کُتّے سے بدتر کردیتا ہے۔ بندے کی شان اور اس کا کمال کیا ہے کہ اپنے کو مٹادے ؎

تو مباش اصلاً کمال این است وبس
رو درو گم شو وصال این است وبس

سالہا تو سنگ بودی دل خراش
آزموں را یک زمانے خاک باش

در بہاراں کے شود سرسبز سنگ
خاک شو تا گل بروید رنگ رنگ

۳۳) **ارشاد فرمایا کہ** اگر ہر عمل میں آدمی نیت درست کرلے تو یہ راستہ بہت جلد طے ہوجاتا ہے۔ جب بولنا ہو بازار جانا ہو ہر قول ہر فعل سے پہلے اپنے دل سے سوال کرلیا جائے، کیوں بولتے ہو، کیوں یہ کام کرتے ہو؟ اور ایک منٹ سوچ کر بولے کہ حق تعالیٰ کی خوشنودی اس قول یا فعل سے مقصود ہے یا نہیں؟ اگر رضائے الٰہی مقصود نہ ہو وہیں رک

۸۰؎ مشکوٰۃ المصابیح: ۴۳۴، باب الغضب والکبر، المکتبۃ القدیمیۃ

جائے، رضائے الٰہی مقصود ہو تو اس کام کو کرلے۔ قلب میں اپنی نیت کی سخت نگرانی رکھنا چاہیے۔ ہر وقت ظاہر اور باطن کو مرضئ الٰہی کے تابع رکھنا اصل فقیری ہے، اپنے نفس، بال بچوں کے لیے ملازمت تجارت خرید و فروخت کے جتنے مشاغل ہیں نیت رضائے الٰہی سے سب دین بن جاتے ہیں۔

۳۴) **ارشاد فرمایا کہ** امام فخر الدین رازی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ قرآن لُغت کے اعتبار سے کہاں سے ماخوذ ہے؟ حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ قرآن قرأت الماء فی الحوض سے ہے، جمع کیا میں نے پانی حوض میں، اہلِ عرب یوں ہی بولتے تھے۔ پس یہاں جمع کے معنیٰ ملحوظ ہیں۔ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جمع کرنے کا مفہوم قرآن میں اس طور پر پایا جاتا ہے کہ حروف جمع ہو کر کلمات بنے، کلمات جمع ہو کر آیتیں بنیں، آیتیں جمع ہو کر سورتیں بنیں، سورتیں جمع ہو کر قرآن شریف ہوا۔

۳۵) **ارشاد فرمایا کہ** حضرت رحمۃ اللہ علیہ رمضان المبارک میں تمام معمولات کم کر کے قرآن شریف کی تلاوت زیادہ فرمایا کرتے تھے۔

۳۶) **ارشاد فرمایا کہ** ملّاح کے لُغوی معنیٰ نمک بنانے والے کے ہیں چوں کہ یہ لوگ سمندر کے کنارے کشتی بھی چلاتے تھے اور نمک بھی بناتے تھے اس لیے اسی مناسبت سے ملّاح مشہور ہوگئے۔

۳۷) **ارشاد فرمایا کہ** یہودی یہودا جو حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹے تھے ان کی اولاد سے ہیں۔

۳۸) **ارشاد فرمایا کہ اَللّٰھُمَّ اکْفِنِیْ بِحَلَالِکَ عَنْ حَرَامِکَ وَاَغْنِنِیْ بِفَضْلِکَ عَمَّنْ سِوَاکَ**[۸۱] کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ اگر احد پہاڑ کے برابر قرض کسی پر ہو تو اس کی برکت سے ادا ہو جائے گا۔[۸۲] میں مقروض مسلمانوں کو ستّر بار اوّل آخر درود شریف تین تین بار ہر روز پڑھنے کو بتادیا کرتا ہوں۔

۳۹) **ارشاد فرمایا کہ:** حق تعالیٰ شانہٗ نے ارشاد فرمایا: **اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ** تحقیق کہ بعض گمان گناہ ہوتا ہے۔ اور بعض متعین نہیں ہے، اس لیے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ

---

۸۱ جامع الترمذی: ۱۹۶/۲، باب من ابواب الدعوات، ایچ ایم سعید

۸۲ کنز العمال: ۲۵۳/۶ (۱۵۵۶۳)، کتاب الدعاء، دعاء رفع الیدین، مؤسسۃ الرسالۃ

وسلم نے اس بعض سے بچنے کے لیے مطلقاً ظنِ خیر کا حکم فرمایا ہے: **ظُنُّوْا بِالْمُؤْمِنِیْنَ خَیْرًا** [۸۳] حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ مومنین کے ساتھ نیک گمان رکھو۔ کیوں کہ جب بعض گمان گناہ ہے تو ہر گمان پر اس بعض کا خطرہ اور احتمال ممکن ہے۔ اس لیے جب تک مطلقاً نیک گمان ہر ایک سے نہ رکھا جاوے **اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ** سے بچنا ناممکن ہے۔ پھر فرمایا کہ نیک گمان کے لیے دلیل کی ضرورت نہیں بلا دلیل ہر ایک سے اچھا گمان رکھنے کا حکم ہے، اور بدگمانی کے لیے دلیل کی ضرورت ہے اور دلیل بھی ظنی نہ ہو یقینی ہو۔ جب تک تاویل کا احتمال ہو تاویل کرلینا چاہیے اور دل کو بدگمانی سے محفوظ رکھے۔ سلیم الصدر رہنا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو محبوب اور پسندیدہ تھا، اور مومن کو چاہیے کہ بدگمانی کے مواقع سے بچتا رہے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: **اِتَّقُوْا مَوَاضِعَ التُّهَمِ** [۸۴] تہمت کی جگہوں سے بچو۔ اپنی طرف سے ایسا قول اور فعل اختیار نہ کرے جس سے خواہ مخواہ مسلمانوں کو بدگمانی میں مبتلا ہونا پڑے۔ دین عجیب نعمت ہے ہر طرف سے فتنوں کا انسداد کردیتا ہے۔ خصوصاً مقبول بندوں کے ساتھ بدگمانی بہت خطرناک ہے۔ مقبولین یعنی اہل اللہ کے بارے میں سخت احتیاط کی ضرورت ہے ورنہ دنیا میں مصائب اور بلاؤں میں گرفتار ہونے کا اور موت کے وقت سوءِ خاتمہ کا اندیشہ ہوتا ہے۔

جب عام مومنین کے ساتھ نیک گمان کا حکم ہے تو خاص اور کاملین کے ساتھ یہ حکم اور متہم ومؤکد ہوجاتا ہے۔ اگر نیک گمان رکھنے میں دھوکا ہوا تو قیامت کے دن اس نیک گمان کے متعلق مواخذہ نہ ہوگا بلکہ اجر ہی ملے گا۔ اور بدگمانی میں ہماری پکڑ ہوگی، دلیل کا مطالبہ ہوگا۔ تو عقلاً بھی جھگڑے میں پڑنا اچھا نہیں ہے۔ بے خطر اور سلامتی کا راستہ جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تو اس کو چھوڑ کر خطرے میں کیوں پڑیں۔

بدگمانی اور اعتراض کا منشا تکبر ہوتا ہے جو اپنے کو ذلیل گناہ گار سب سے ارذل اور بدتر سمجھے گا وہ اپنے سے سب کو بہتر اور اچھا سمجھے گا۔ بدگمانی میں ایک مفسدہ یہ بہت خطرناک ہے کہ جس سے بدگمانی کی جاتی ہے اس کی تحقیر اور ذلّت دل میں آجاتی ہے اور یہ حرام ہے۔

۸۳؎ الدر المنثور: ۱۰/۲۶۴، دار ھجر، مصر۔ المعجم الکبیر للطبرانی: ۱۶/۴۹۶

۸۴؎ جامع الاحادیث للسیوطی: ۱/۳۳۶ (۵۳۵)، الھمزۃ مع التاء

نومید ہم مباش کہ زندانِ بادہ نوش
ناگہ بیک خروش بمنزل رسیدہ اند

کتنے چور کتنے ڈاکو جب ان پر فضلِ الٰہی متوجہ ہوا تو وہ تائب ہو کر اولیاء اللہ ہو گئے۔ اعتبار خاتمہ کا ہے۔ ہم کو کیا معلوم کہ کس کا خاتمہ کیسا ہو گا؟ کسی غلام کو یہ حق نہیں کہ دوسرے غلام کو حقیر سمجھے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حق تعالیٰ جس کو اپنا مقبول بناتے ہیں تو اس کو نسبتِ خاصہ سے مشرف فرماتے ہیں، اور جب آدمی صاحبِ نسبت ہو جاتا ہے تو اس کے قلب میں مومنین کا اکرام اور ان کی توقیر آ جاتی ہے، اس کی نگاہ بدل جاتی ہے، وہ اس حیثیت سے حق تعالیٰ کے بندوں کے ساتھ اکرام سے ملتا ہے کہ یہ میرے اللہ کے بندے ہیں۔ حضرات صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی شان یہی تھی اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ایمان والوں کے ساتھ اپنے کو ذلیل سمجھ کر مٹا کر ملتے تھے اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ [۸۵] اور کافروں کے ساتھ سخت ہو کر معاملہ کرتے تھے اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ کافروں پر نہایت تیز تھے اور آپس میں بڑے رحم دل تھے۔

۴۰) **فرمایا کہ** حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا: مولانا شاہ نجم الدین کبریٰ رحمۃ اللہ علیہ کا لقب کبریٰ کیوں پڑا، کبریٰ تو مؤنث کا صیغہ ہے؟ تو فرمایا کہ بات یہ ہے کہ یہ بڑے مناظر آدمی تھے تو ان کا لقب دراصل صاحبِ مناظرہ کبریٰ تھا بعد میں صاحبِ مناظرہ تو حذف ہو گیا صرف کبریٰ مشہور ہو گیا۔

۴۱) **ارشاد فرمایا کہ** جب دُعا میں آنسو نکل آئیں تو سمجھ لینا چاہیے کہ دُعا قبول ہو گئی۔

۴۲) **ارشاد فرمایا کہ** کانپور میں مطبع نظامی کے اندر تہجد کے وقت حضرت والا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے مجھ سے فرمایا کہ اس درخت کے پاس میں نے حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خواب میں دیکھا ہے اسی وقت سے میرا سینہ حق تعالیٰ شانہٗ نے قرآن شریف کے لیے کھول دیا، یعنی تفسیر میں کبھی کوئی خلجان اور بستگی (بندش) نہیں پیدا ہوتی ہے۔

۴۳) **ارشاد فرمایا کہ** قناعت اور صبر میں فرق یہ ہے کہ صبر میں نفس پر جبر کرنا پڑتا ہے اور قناعت میں خلاف کو جی ہی نہیں چاہتا، سیر چشمی رہتی ہے۔

---

۸۵ المآئدۃ:۵۴

۴۴) **ارشاد فرمایا کہ** تدبیر کی حیثیت محض ایک بھیک کے پیالے کی ہے اور وہ پیالہ بھی کیسا جو ٹوٹا ہوا ہو، حکم سمجھ کر تدبیر تو اختیار کرنا چاہیے لیکن نظر میاں ہی پر رہے۔ بھیک مانگنے والا اپنے پیالے پر نظر نہیں رکھتا ہے اس کی نظر بھیک دینے والے پر رہتی ہے۔ بندہ حقیقی بھیک منگا اللہ کا ہے **اِیَّاکَ نَعۡبُدُ** میں یہی اقرار ہے کہ اے اللہ! ہم صرف آپ ہی کے غلام ہیں آپ کی ملکیت میں کسی اور کی شرکت نہیں۔ تدبیر سے زیادہ دُعا میں اہتمام کرنا چاہیے۔ تدبیر ضعیف ہے اس حیثیت سے کہ تدبیر کا تعلق مخلوقاتِ عالم سے ہے اور دُعا قوی ہے اس حیثیت سے کہ اس کا تعلق خالقِ عالم سے ہے، وہی ذات تدابیر کی بھی خالق ہے وہ جب چاہیں گے تو آسان سے آسان تدبیر تمہارے سامنے کردیں گے اور اس تدبیر کو کامیاب بھی فرمادیں گے۔

۴۵) **ارشاد فرمایا کہ** شاہ عبد القادر صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ صاحبِ تفسیر ''موضح القرآن'' بہت بڑے درجے کے بزرگ تھے۔ ۱۳ سال میں قرآن شریف کا ترجمہ لکھا ہے اور جس پتھر پر کہنی ٹیک کر لکھتے تھے اس میں گہرا نشان پڑگیا تھا، حالاں کہ باپ کا ترجمہ فارسی میں موجود تھا، لیکن تیرہ سال جو محنت کی ہے اس میں بڑے بڑے علوم بھر دیے اور بڑے بڑے اشکالات حل فرمادیے۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بیٹے ہیں۔ یہ چار بھائی تھے شاہ عبد العزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ، شاہ عبد القادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ، شاہ رفیع الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ، شاہ عبد الغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ، حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ، شاہ عبد الرحیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بیٹے ہیں، اسی خاندان سے اللہ تعالیٰ نے ہندوستان میں علمِ دین پھیلایا ہے۔ شاہ عبد الرحیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور قاضی مبارک رحمۃ اللہ علیہ پڑھنے کے ساتھی تھے۔ دونوں میر زاہد کے شاگرد تھے۔ حضرت شاہ فضلِ رحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ گنج مراد آبادی نے لکھا ہے کہ دہلی سے مراد آباد تک شاہ عبد القادر صاحب جیسا صاحبِ نسبت بزرگ کوئی نہ تھا، شاہ صاحب (فضلِ رحمٰن رحمۃ اللہ علیہ) بڑے صاحبِ کشف تھے کشف سے معلوم ہوا ہوگا۔

۴۶) **ارشاد فرمایا کہ** حضرت مولانا یحییٰ صاحب حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے عاشق زار شاگرد تھے اور مرید بھی تھے۔ مولانا یحییٰ صاحب نے ایک بار اپنے شاگرد مولانا ظفر احمد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا کہ مولوی ظفر احمد! میں تو اب تک حضرت

گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کو مجدّد سمجھتا تھا لیکن اب معلوم ہوا کہ تمہارے ماموں (حضرت مولانا شاہ اشرف علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ) بھی وقت کے مجدّد ہیں میں نے غلط سمجھا تھا۔

ایک مقروض شخص نے جو حضرت والا سے بیعت بھی تھے، قرض کی پریشانی ظاہر کی تو ارشاد فرمایا: یَاحَیُّ یَاقَیُّوْمُ بِرَحْمَتِكَ اَسْتَغِیْثُ[۸۶] دو سو بار اوّل آخر تین تین بار درود شریف کے ساتھ چاشت کے وقت پڑھے پھر چار رکعت نفل نماز دو دو رکعت کی نیت سے اس طرح پڑھیے کہ اوّل میں سورۂ شمس دوسری میں سورۃ الیل پھر دوسرے دوگانہ کی اوّل رکعت میں والضحٰی اور دوسری میں الم نشرح پڑھیں بعد فراغتِ نماز سجدے میں جا کر خوب دُعا کریں۔ ان شاء اللہ پہلی خوشحالی سے بھی بہتر ہو جاؤ گے۔

۴۷) **ارشاد فرمایا کہ** حدیث شریف میں آیا ہے کہ فرعون اور ابو جہل کی بھی جنّت ہے جب یہ جہنم میں ڈالے جائیں گے تو اُن کو اُن کی جنّت کی جگہ دکھائی جائے گی کہ اگر نیک ہوتے تو تمہارا یہ ٹھکانا ہم نے بنایا تھا اس کی وجہ سے ان کو حسرت کا غم اور عذاب بن جائے گا۔ اسی طرح جب ایمان والے جنّت میں جائیں گے تو ان کو ان کے جہنم کا درجہ دکھایا جائے گا کہ اگر کافر ہوتے تو تمہارا یہ ٹھکانا ہم نے بنایا تھا پھر ان کو جنّت میں داخل کر دیا جائے گا جس کی وجہ سے جنّت کی بے حد قدر ان کو ہو جائے گی۔

۴۸) **ارشاد فرمایا کہ** حدیث شریف میں چھینکنے کے وقت الحمد للہ کہنے کا جو حکم آیا ہے اس حدیث کے متعلق میرے اُستاذ الحدیث مولانا محمد شاہ صاحب محدث رامپوری نے یہ تقریر فرمائی تھی کہ چھینکنے کے وقت الحمد للہ کہنے کی دو وجہ ہوتی ہیں: ایک یہ کہ چھینکنے کے وقت منہ بگڑ گیا تھا اس کے درست ہونے پر اللہ کا شکر ادا کیا۔ دوسرے یہ کہ چھینکنے کے بعد دماغ کی گرانی دور ہو جاتی ہے اور انجرات رویہ خارج ہو جانے سے دماغ میں فرحت سی محسوس ہوتی ہے۔ اس راحت پر شکر ادا کیا۔ مولانا محمد شاہ صاحب سے میں نے مشکوٰۃ شریف پڑھی تھی مولانا رامپور میں مدرّس تھے۔ حدیث اپنے والد مولانا حسن شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھی تھی اور مولانا حسن شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ مولانا عالم علی نگینوی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے اور مولانا عالم علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت

---

۸۶ کنزالعمال: ۱۳۹/۲، (۳۴۹۸) الباب الثامن: الدعاء، الفصل الخامس: أدعیة المؤقتة، الفرع الثالث: أدعیة الصباح والمساء، مؤسسة الرسالة

شاہ اسحاق صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے۔ مولانا محمد شاہ صاحب محدث رامپوری رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولانا شاہ کرامت علی صاحب جونپوری رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے۔

۴۹) **ارشاد فرمایا کہ** حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرات صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے مشورہ لینے کا جو حکم فرمایا گیا ہے تو اس میں بظاہر یہ شبہ ہوتا ہے کہ مشورہ لینا تو نقصان علم کی دلیل ہے تو اس شبہے کا حل یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حکمِ مشورہ بوجہ نقصان علم کے نہ تھا آپ تو کامل اور مکمل تھے سب آپ کے علوم اور معارف کے محتاج تھے آپ کسی کے محتاج نہ تھے آپ کا تو دنیا میں کوئی اُستاد بھی نہ تھا آپ کے اُستاد خود حق تعالیٰ شانہٗ کی ذات پاک تھی اَلرَّحْمٰنُ ۝۱ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ[۸۷] مشورہ کی آیت کا سیاق وسباق دیکھیے تب حقیقت کا پتا چلے گا، ارشاد فرماتے ہیں:

فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ۚ
فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ط[۸۸]

ارشاد فرماتے ہیں کہ آپ اپنے اصحاب سے درگزر فرمادیں اور ان کی مغفرت کے لیے محمد صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے سفارش کرتے رہیں اور آپ ان سے مشورہ لے لیا کریں خاص خاص باتوں میں پھر جب آپ رائے پختہ کرلیں تو خدا تعالیٰ پر اعتماد کیجیے۔

یہ مقام بتاتا ہے کہ حضرات صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو آپ کی خفگی سے جو بے چینی تھی وہ محض معاف کرنے سے نہ جاتی اور شبہ ہوتا کہ ظاہر میں معاف کردیا ہے اور دل میں خفا ہیں تو اللہ تعالیٰ نے سفارش فرمائی کہ آپ درگزر فرمادیں اور ان کے لیے مجھ سے مغفرت طلب کریں اور آپ ان کی دلجوئی کے لیے اور رفعِ حجاب کے لیے ان سے مشورہ بھی کرلیں تاکہ ان کا دل خوش ہوجائے اور آپ کی ناراضگی سے جو ان کے دلوں پر پردہ آگیا ہے وہ اُٹھ جائے، کیوں کہ مشورہ اپنے خاص ہی لوگوں سے لیا جاتا ہے۔ پس مشورہ لینے سے ان کو اطمینان ہوجاوے گا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہم لوگوں سے خوش ہیں۔

ف: اس سے معلوم ہوا کہ مصلح اور مربی سے حجاب مانعِ فیض ہوتا ہے۔ ہمارے حضرت

---

۸۷ الرحمٰن: ۱-۲

۸۸ اٰل عمرٰن: ۱۵۹

رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ شیخ سے جب تک حجاب نہ اُٹھ جائے اس وقت تک کامل فیض نہیں ہوتا۔

۵۰)**ارشاد فرمایا کہ** ص ۹۱۳ بخاری شریف، جلد ثانی، پ ۲۵، باب لَاتَسُبُّوا الدَّهْرَ کے تحت حدیث ہے کہ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: قَالَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ: يَسُبُّ ابْنُ اٰدَمَ الدَّهْرَ وَاَنَا الدَّهْرُ بِيَدِى اللَّيْلُ وَالنَّهَارُ[۸۹] یہ حدیثِ قدسی ہے حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ابنِ آدم دہر کو بُرا بھلا کہتا ہے۔ میرے ہی قبضے میں ہے رات دن۔ اور رات ودن ہی کو زمانہ کہا کرتے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ میرے ہی قبضے میں زمانہ ہے۔ پس اَنَا الدَّهْرُ کا مطلب یہ ہے کہ وَاَنَا اُقَلِّبُ الدَّهْرَ اور میں ہی زمانے کو پھراتا رہتا ہوں پس زمانے کو بُرا کہنا مفضی ہوتا ہے میری ذات تک، اس معنیٰ کے اعتبار سے اس حدیث میں اَنَا الدَّهْرُ فرمایا گیا ہے جو متشابہات سے ہے خوب سمجھ لو۔

فائدہ: اس حدیث کو سمجھانے کے لیے بِيَدِى اللَّيْلُ وَالنَّهَارُ کو بطور مقدمہ کے مقدم کرنا چاہیے۔ بِيَدِى اللَّيْلُ وَالنَّهَارُ جب ہے تو وَاَنَا اُقَلِّبُ الدَّهْرَ ہے۔ یہ حق تعالیٰ نے میرے دل میں ڈالا ہے۔

۵۱)**ارشاد فرمایا کہ** شاہ عبد القادر صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ توریت میں حق تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ جب حکم توریت چھوڑ دو گے تو تم پر اور بندے مسلط ہوں گے پھر قیامت تک ذلیل رہو گے اب یہود کو کہیں کی حکومت نہیں غیر کی رعیت ہیں۔

۵۲) **ارشاد فرمایا کہ** حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی اس تحریر سے صاف حضرت کے مجدد ہونے کا اشارہ ہے۔ الافاضات الیومیہ جلد سوم صفحہ ۴۵ سے اس عبارت کو نقل کرلو۔ (نقل) ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ طریق بالکل مردہ ہوچکا تھا، لوگ بے حد غلطیوں میں مبتلا تھے الحمد للہ! اب سو برس تک تو تجدید کی ضرورت نہیں رہی اگر پھر خلط ہو جائے گا تو پھر کوئی اللہ کا بندہ پیدا ہو جائے گا۔ ہر صدی پر ضرورت ہوتی ہے تجدید کی اس لیے کہ مدت کے بعد نری کتابیں ہی کتابیں رہ جاتی ہیں۔ اب تو خدا کا فضل ہے کہ وضوح ہو گیا۔ اور کتابیں فی نفسہٖ تو کافی ہیں مگر لوگ اس میں تحریفیں کرلیتے ہیں اور کتابیں تو درکنار

---

۸۹ صحیح البخاری: ۹۱۳/۲ (۶۲۱۱)، باب لاتسبوا الدھر، المکتبۃ المظھریۃ

قرآنِ پاک کو هدًى اور بَيِّنَاتٌ فرمایا گیا ہے مگر اس میں بھی دیکھ لیجیے کہ لوگ معانی اور مطالب میں کس قدر گڑ بڑ مچا دیتے ہیں۔

۵۳) **ارشاد فرمایا کہ** اس حدیث میں بعض اہلِ علم کو بھی دھوکا ہو گیا مَنْ سَلَكَ عَلٰى طَرِيْقِيْ فَهُوَ اٰلِيْ جو میرے راستے پر چلے وہی میری آل ہے۔ اس حدیث سے اس قدر عموم مراد نہیں ہے کہ ہر شخص آلِ رسول کے مرتبے میں ہو جاوے۔ اس حدیث کا مفہوم یہی ہے کہ میری جو اولاد میرے راستے پر چلے وہی میری اولاد ہے اور جو اولاد میرے راستے پر نہ چلے وہ میری اولاد نہیں ہے۔ اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ کی آیت سے اس کی تائید ہو جاتی ہے حق تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے کنعان کے متعلق بوجہ اس کی طغیانی اور سرکشی کے فرمایا کہ اے نوح (علیہ السلام) کنعان آپ کے اہل سے نہیں ہے اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ[۹۰]

۵۴) **ارشاد فرمایا کہ** حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ اے ایمان والو! تقویٰ اختیار کرو۔ اب سوال ہوتا ہے طریقہ کیا ہے کیسے ڈریں۔

کس طرح فریاد کرتے ہیں بتادو قاعدہ
اے اسیرانِ قفس میں نو گرفتاروں میں ہوں

فریاد کرنے کا طریقہ تو کسی صاحبِ فریاد سے معلوم ہو گا۔ وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ فرما کر بتادیا ڈرنے کا طریقہ معلوم ہو گا کب؟ جب سچوں کے ساتھ رہ پڑو تب ان کے ساتھ رہنے سے ان کا صدق اعمال اور ان کا صدق فی المقال تمہارے اندر چلا آوے گا۔

نالہ پابندِ نے نہیں ہے
فریاد کی کوئی لے نہیں ہے

ہر شخص کی فریاد جداگانہ ہے۔ طریقۂ فریاد پر کوئی کتاب نہیں لکھی گئی یہ چیز صحبت سے ملے گی۔ طالب شیخ کے ساتھ جذبہ اور داعیۂ فریاد حاصل کرتا ہے۔ رنگ فریاد میں اتحاد ضروری

---

۹۰ ھود:۴٦

نہیں۔ ہر ولی کی فریاد الگ ہے۔ جس کی روح میں نسبت کا جو رنگ میاں نے ڈال دیا ہے اسی مناسبت سے اس کی فریاد کا رنگ ہوتا ہے۔

۵۵) **ارشاد فرمایا کہ** مثنوی شریف میں ”بشنواز نے چوں حکایت می کند“ میں ”نے“ جس کا تذکرہ ہے اس کے متعلق عجیب بات دل میں آئی کہ نَے خود سے نہیں بجتی ہے اس کے لیے کوئی بجانے والا چاہیے۔ یعنی مرشد کامل کے ہاتھ میں جب اپنے کو سپرد کروگے تب نالۂ غم کی آواز روح سے نکلے گی۔

۵۶) **ارشاد فرمایا کہ** مصلح کے لیے متقی ہونا ضروری ہے ۔حق تعالیٰ فرماتے ہیں: فَاتَّقُوا اللہَ وَ اَصۡلِحُوۡا ذَاتَ بَیۡنِکُمۡ [۹۱] اصلاح کی خدمت سے پہلے فَاتَّقُوا اللہَ فرما کر بتادیا کہ تقویٰ ضروری ہے تقویٰ کی برکت سے مصلح کی بات کا اثر پڑتا ہے۔

۵۷) **ارشاد فرمایا کہ** لَا یَنۡفَعُ ذَا الۡجَدِّ مِنۡکَ الۡجَدُّ [۹۲] جو ایک حدیث کا ٹکڑا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ نہیں نفع دے سکتا ہے صاحبِ دبدبہ کا دبدبہ آپ کے عذاب سے۔ مِنۡکَ میں عذاب محذوف ہے اَیۡ مِنۡ عَذَابِکَ۔

۵۸) **ارشاد فرمایا کہ** جب مچھلی غفلت اور غلطی سے خشکی میں نکل پڑتی ہے اور پانی کے بغیر سخت پریشانی اور تکلیف سے اپنی ہلاکت اور موت قریب محسوس کرتی ہے تو اس وقت وہ کیا کرتی ہے؟ بس جو وہ کرتی ہے وہی ہم کو بھی کرنا چاہیے۔ مچھلی اس وقت میں کیا کرتی ہے پھر پانی میں کود پڑتی ہے اور زندگی حاصل کرلیتی ہے۔ عبرت کے لیے یہ نمونے موجود ہیں۔ ہماری خشکی اور ہماری ہلاکت کیا ہے؟ ذکر اللہ سے غفلت۔ جب ہم نافرمانیوں میں کود پڑیں اور اللہ کو بھول جائیں تو ہم کو یہ نہ چاہیے کہ بس اسی گندگی میں لت پت پڑے رہیں بلکہ اسی مچھلی کی طرح اس خشکی سے تڑپ کر پانی میں کود پڑیں یعنی اللہ کی طرف دوڑ پڑیں اور غفلت سے توبہ کرکے اللہ تعالیٰ کی یاد میں مشغول ہوجائیں۔

حق تعالیٰ فرماتے ہیں: فَفِرُّوۡۤا اِلَی اللہِ ؕ پس دوڑ پڑو اللہ کی طرف۔

دوڑنے کو اس لیے فرمارہے ہیں کہ دنیا میں ہزاروں خطرات ہیں، شیطان اور نفس

---

۹۱ الانفال:۱

۹۲ صحیح البخاری:۱/۱۱۶-۱۱۷(۸۴۸)،باب من لم یرد السلام علی الامام،المکتبۃ المظہریۃ

کے ہزاروں جال ہیں کہیں تم کو ان ہلاکت کے جالوں سے شیطان مانوس نہ کر دے اور تمہاری دنیا اور دین دونوں تباہ نہ کر دے۔ پس اپنے مرکز کی طرف بھاگ پڑو اور جب شئ اپنے مرکز پر پہنچ جاتی ہے تو اس کو سکون ہو جاتا ہے۔ خطرات میں گھرا ہوا آدمی تشویش میں رہتا ہے اِنِّیْ لَکُمْ مِّنْہُ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ [۹۳] حق تعالیٰ کی طرف اس کا پیغمبر ان خطرات سے ڈراتا ہے اور لوگوں کو سمجھاتا ہے کہ فَفِرُّوْٓا اِلَی اللّٰہِ بھاگو اللہ کی طرف، اللہ کی طرف کیسے بھاگیں؟ ذکر اللہ میں لگ جانا یہی ان کی طرف بھاگنا ہے۔ جب ذکر میں لگ گئے تو سمجھ لو کہ میاں کے پاس پہنچ گئے۔ کیوں کہ حدیث شریف میں ہے: اَنَا جَلِیْسُ مَنْ ذَکَرَنِیْ [۹۴] میں ذکر کرنے والے بندے کے پاس رہتا ہوں اس کا جلیس اور ہمنشیں ہو جاتا ہوں جب تک وہ ذکر میں رہتا ہے۔

۵۹) ارشاد فرمایا کہ حق تعالیٰ نے ایک علم عظیم عطا فرمایا ہے، وہ یہ کہ مجھے ایک اشکال ہوا اور قوی ہوتا چلا گیا مگر میں نے کسی پر ظاہر نہ کیا کہ اگر اس وقت کسی کی سمجھ میں نہ آیا تو ایمان خطرے میں پڑ جائے گا۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ایک شبہ کا حل آج ۱۸ برس کے بعد ہوا لیکن کسی کو مطلع نہ کیا تھا کہ لوگوں کا ایمان خطرے میں پڑ جاتا ہے۔ اسی طرح مجھ کو یہ شبہ کئی روز ہوئے ہوا۔ الحمد للہ! کہ آج اس وقت اس شبہے کا حل وارد ہوا وہ شبہ یہ تھا کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ پاک لوگوں کے لیے پاک مٹی کا خمیر لیا گیا اور جہنمیوں کا خبیث خمیر سے پتلا بنایا گیا تو شبہ ہوا کہ جب خمیر ہی خبیث مٹی سے بنایا گیا تو اچھے اعمال کیسے اس پتلے سے پیدا ہوں گے تو اس طور سے بندوں کا مجبور ہونا لازم آتا ہے۔ اس شبہے کا حل یہ وارد ہوا کہ علمِ الٰہی میں یہ بات تھی کہ اس بندے سے نیک عمل نہ ہو گا، اللہ تعالیٰ کے ازلی ابدی علم میں یہ ساری چیزیں موجود تھیں کہ کن بندوں سے نیک اعمال ہوں گے اور ایمان پر مریں گے اور کن سے بُرے اعمال صادر ہوں گے اور کفر پر مریں گے۔ پس حق تعالیٰ نے اپنے اس علمِ قدیم کے مطابق کفر پر مرنے والوں کا خمیر خبیث مٹی سے بنایا کہ جہنمی کے لیے خمیر بھی خبیث ہی مناسب ہے اور ایمان پر مرنے والوں کا خمیر طیب مٹی سے بنایا کہ جنّتی کے لیے خمیر بھی طیب

۹۳؎ الذّٰریٰت: ۵۰

۹۴؎ شعب الایمان للبیھقی: ۱۷۱/۲ (۶۸۰) مکتبۃ الرشد

ہی مناسب ہے، اللہ تعالیٰ کے علم میں بندوں کا ماضی، حال، مستقبل سب حاضر ہے پس علمِ الٰہی کے اعتبار سے ہر ایک کی تخلیق ہوئی اور اس تقریر سے جبر کا اشکال رفع ہو جاتا ہے۔

۶۰) ارشاد فرمایا کہ وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا[۹۵] کا ترجمہ زبانِ محبت میں یہ ہے کہ اور اسلام کو تمہارا دین بنا کر ہم خوش ہو گئے۔

۶۱) ارشاد فرمایا کہ بُری نظر سے بچنے کا حکم فرمایا تو اس کے لیے اسباب بھی پیدا فرمائے یعنی دو چلمنیں (پردہ) عطا فرمائیں کہ نظر پر ڈال لو وہ چلمنیں یہی دونوں پلک ہیں کسی عورت غیر محرم کا سامنا ہو ابس آنکھوں کو بند کر لو، گوشۂ چشم سے بھی مت دیکھو۔ اللہ تعالیٰ سے گوشۂ چشم کی حرکت پوشیدہ نہیں ہے، میاں سے چوری چُھپ نہیں سکتی ہے۔ حق تعالیٰ کا کتنا بڑا کرم ہے کہ آنکھوں کو بند کرنے کے لیے دو دو پردے پلکوں کے عطا فرمائے ہیں ہم ان سے کام کیوں نہیں لیتے ہیں۔ چند دن پرہیز سے خوف کی زندگی گزارنا ہے مگر انعام کتنا بڑا ملے گا۔ غلام ہو کر خدا کے دوست ہو جاؤ گے، اور یہ خوف بڑا لذیذ خوف ہے۔ اس خوف کے اندر اطمینانِ قلب رکھ دیا گیا ہے لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ[۹۶] ایمان اور تقویٰ کی برکت سے ولایت کا تاج رکھ دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا خوف ایسا خوف ہے جو سارے خوف اور حزن کا قلع قمع کر دیتا ہے۔ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ حضرت عارف رحمۃ اللہ علیہ اسی کو فرماتے ہیں ؎

امن شان از عین خوف آمد پدید

ان کا امن یعنی اہل اللہ کا سکون اور اطمینان اور امن عین خوفِ حق سے میسر ہوا۔ خوف اور امن دونوں کا جمع فرمانا یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت ہے اور ان کو ہر چیز پر قدرتِ قاہرہ حاصل ہے۔ آگ کو پانی اور پانی کو آگ جو چاہیں سو کر سکتے ہیں ؎

گہر او خواہد عین غم شادی شود

عین بند پائے آزادی شود

اللہ کا ڈر بہت بڑا انعام ہے۔ قرآن میں متقین ہی کے گروہ کو اولیاء اللہ فرمایا گیا ہے:

---

۹۵ المائدۃ: ۳

۹۶ یونس: ۶۲

اَلَاۤ اِنَّ اَوۡلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوۡفٌ عَلَیۡہِمۡ وَ لَا ہُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ ﴿ۚۖ۶۲﴾
الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ کَانُوۡا یَتَّقُوۡنَ ﴿ؕ۶۳﴾[۹۷]

تم غلام ہو کر متقی بن کر ہمارے دوست ہوگئے ہم مالک ہونے کے باوجود تمہارے خوف اور تقویٰ کی قدر کرتے ہوئے تمہارے دوست ہوگئے۔

دونوں جانب سے اشارے ہوچکے
ہم تمہارے تم ہمارے ہوچکے

ملفوظ ملقب بہ تعلیم عبدیتِ کاملہ

۶۲) ارشاد فرمایا کہ اگر حق تعالیٰ نے مال عطا فرمایا ہے تو طغیانی سے بچتے رہیں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اُمّت پر مال سے خوف ظاہر فرمایا ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں: اَللّٰھُمَّ اِنِّیۡ اَعُوۡذُبِکَ مِنۡ غِنًی یُّطۡغِیۡنِیۡ[۹۸] اے اللہ! میں پناہ چاہتا ہوں ایسے مال سے جو ہمیں سرکشی میں مبتلا کردے۔ کیوں کہ جب طغیانی آتی ہے تو انسان اندھا ہو جاتا ہے اور اپنے عیوب پر پردہ پڑ جاتا ہے، اپنے ہنر پر نگاہ رہتی ہے جس سے عُجب اور تکبر کا مرض ہو جاتا ہے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ باہ سے بدتر جاہ ہے کیوں کہ باہ کا مریض اپنے کو کمتر اور گناہ گار سمجھتا ہے اور جاہ والا اپنے کو سب سے بڑا سمجھتا ہے۔ ہم کو خواہ کتنا ہی مال و دولت دیا گیا ہو لیکن ہم در حقیقت اللہ کے فقیر ہیں حقیقی غنی صرف اللہ کی ذات ہے۔ ہماری مال داری تو ایسی ہی ہے کہ صبح ایک شخص مال دار ہے شام کو بھیک مانگنے کے قابل ہو گیا۔ دنیا میں روز مرہ کے مشاہدات ہیں۔ آج ایک شخص صدرِ مملکت ہے کل کو وہی مجبور ہو کر ہوٹل کی دوکان کرتا ہے وَ تِلۡکَ الۡاَیَّامُ نُدَاوِلُہَا بَیۡنَ النَّاسِ ۚ[۹۹] جب یہ دن یکساں نہیں رہتے تو معلوم ہوا کہ ہم سب کسی اور کے ہاتھ میں ہیں یہ انتظامات امارت اور غُربت کسی اور کے قبضے میں ہیں۔ حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: وَ اللّٰہُ

---

۹۷ یونس: ۶۲-۶۳
۹۸ عمل الیوم واللیلۃ لابن سنی: ۱/۱۰۷ (۱۲۰)
۹۹ اٰل عمرٰن: ۱۴۰

الْغَنِيُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ [۱۰۰] اور اللہ کی ذات غنی ہے تم سب اللہ کے فقیر ہو۔ جب ہم فقیر ہیں تو ہم کو مسکنت سے رہنا چاہیے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اے عائشہ! مساکین کے پاس بیٹھا کرو اور ان سے محبت رکھا کرو اس سے مسکنت پیدا ہوگی۔ [۱۰۱]
بعض لوگوں میں سنگ دلی ہوتی ہے جس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ ان کے اخلاق میں خشونت، دل آزاری، مخلوق پر جبر کا ہونا، نرمی کا نہ ہونا، اپنے طرزِ کلام سے لوگوں کی تحقیر کرنا، عام طور سے ہر شخص سے بدگمانی اور اعتراض، چھوٹوں پر شفقت اور رحمت کی کمی، اپنے بڑوں کی عزت اور تکریم کے بجائے اپنے وقار و جاہ کی طلب، لوگوں کی غیبت، کسی پر احسان کیا تو اس احسان کا ادھر ادھر تذکرہ کرکے اپنے احسان کی اشاعت کرنا، قلتِ اکرامِ مومن الغرض ایسے شخص کے اخلاق سے لوگوں کو اکثر اذیت پہنچتی رہتی ہے۔ یہ سنگ دلی (پتھر پن) کیسے جاوے گا۔

سالہا تو سنگ بودی دلخراش
آزموں را یک زمانہ خاک باش

خاک سے پیدا ہوئے ہیں خاکسار بن کر رہنا چاہیے۔

زخاک آفرید ت خداوند پاک
پس اے بندہ افتادگی کن چو خاک

اس پتھر پن اور دل خراش اخلاق کا علاج کیا ہے؟ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ کسی سچے اللہ والے کی صحبت اختیار کرو۔

گر تو سنگ خارہ و مرمر بوی
چو بصاحبِ دل رسی گوہر شوی

اگر تم سنگ خارہ اور سنگ مرمر ہو لیکن جب کسی صاحبِ دل کی صحبت میں پہنچو گے تو موتی بن جاؤ گے۔ مگر اس صحبت سے مراد کیا ہے کہ من و عن حالات سے اطلاع کریں کوئی مرض کوئی

[۱۰۰] محمد: ۳۸
[۱۰۱] جامع الترمذی: ۲/۶۰، باب ماجاء ان فقراء المہاجرین یدخلون الجنۃ، ایچ ایم سعید

عیب پوشیدہ نہ رکھیں سب کہہ دیں اور اس کی تدبیر پر عمل کریں۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے: جڑ تمام امراض کی کبر تک پہنچتی ہے۔ اپنے نفس سے حُسنِ ظن کبھی نہ کرنا چاہیے خواہ ساری دنیا تعریف کرے۔ کیوں کہ معاملہ دنیا والوں سے نہیں ہے معاملہ تو صرف اللہ سے ہے۔ میاں کی کسوٹی پر جب ٹھیک اُتر جاویں تو وہی ٹھیک ہوتا ہے اور اس کا فیصلہ مرنے کے بعد معلوم ہوگا پس مرنے سے پہلے اپنے کو سب سے زیادہ گناہ گار بدتر ارذل نالائق سمجھنا چاہیے، اگر کسی کی بدعملی سے اس کی حقارت ذہن میں آنے لگے تو فوراً سوچے کہ اس شخص کا خاتمہ اگر ایمان پر ہوا اور میرا نہ ہوا تو میری یہ حالت اس کی بدعملی سے باعتبار انجام کے بدتر ہے۔ ہمیشہ انجام یعنی خاتمہ کا ڈر لگا رہے۔ خاتمہ کا خوف کسی سے بہتر نہ سمجھنے دے گا۔ عارفین تو اپنے کو جانوروں سے بھی بدتر سمجھتے ہیں۔ کیوں کہ جانوروں کے لیے جہنم کی سزا نہیں ہے اور اپنے اوپر جہنم کا خوف لگا ہوا ہے ؎

ازیں بر ملائک شرف داشتند
کہ خود را بہ از سگ نہ پنداشتند

نفس کی ہر وقت دیکھ بھال کرتا رہے نفس کی چال بڑی باریک اور خفیہ ہوتی ہے۔ بول چال میں، اُٹھنے بیٹھنے میں، آنکھوں کے تیور میں نفس شریک ہو جاتا ہے جس سے عبدیت یعنی غلامی کی شان جاتی رہتی ہے۔ عارفین یعنی اللہ والے ہر وقت اپنے لب ولہجے، رفتار گفتار، الفاظ کے استعمال میں اپنے دل کی نیت کو ٹٹولتے رہتے ہیں ترفع یعنی بڑا بننے کے لیے کوئی وقار حرام سمجھتے ہیں۔ اور اللہ کے بندے ہیں بندہ بن کر، غلام بن کر رہتے ہیں۔ عبدیت آسان نہیں ہے ہر وقت اسی تراش وخراش میں، ادھیڑ پن میں اللہ والوں کی زندگی گزرتی ہے کہ میرے کسی لفظ سے جاہ تو مقصود نہیں ہے۔ دل سے سوال کرتے ہیں، اپنی نیت پر نظر رکھتے ہیں، احباب میں چلنے پھرنے اور گفتگو کرنے میں اپنی عبدیت کا لحاظ رکھتے ہیں، ہر حرکت میں اپنی نیت کو ٹٹولتے ہیں کہ اس حرکت سے بڑا بننا اور جاہ حاصل کرنا تو مقصود نہیں ہے۔ بس ہر وقت اندر ایک کارخانۂ عبدیتِ خالصہ کی حفاظت کا سلسلہ جاری ہے۔ ہر وقت اللہ پر نظر ہے کہ میاں ہر وقت ہمیں دیکھ رہے ہیں وہ کہیں گے میرا بندہ ہو کر جاہ اور بڑائی چاہتا ہے۔ عبدیتِ کاملہ عبدیتِ خالصہ بڑی مشکل

سے بنتی ہے۔ ساری عمر اللہ والے اسی فکر میں رہتے ہیں اور اسی فکر میں دنیا سے جاتے ہیں۔

عبدیتِ خالصہ کس کا نام ہے؟ جس بندگی کا مقصود صرف رضائے الٰہی ہو وہی خالص بندگی ہے یَّبۡتَغُوۡنَ فَضۡلًا مِّنَ اللّٰہِ وَ رِضۡوَانًا [۱۰۲] اللہ کے فضل اور اللہ کی رضا جوئی کے سوا کوئی چیز مطلوب نہ ہو، ہر مطلوب اسی مطلوب کے تابع ہو جائے۔ ہر کام میں اپنے دل سے سوال کرے کہ یہ کام کس لیے کرتے ہو؟ جب جواب مل جائے کہ رضائے الٰہی یعنی میاں کی خوشنودی کے لیے تب اس عمل کی بنیاد رکھ دو۔ اور اللہ تعالیٰ سے دُعا بھی کر لینا چاہیے کہ یہی نیت عمل کی ابتدا سے انتہا تک باقی رہے، نفس اور شیطان کی شرکت سے پناہ مانگ لے، اور جب وہ عمل ختم ہو جاوے تو پھر استغفار کرے کہ اے اللہ! میرے نفس کی شرکت سے جو کچھ اخلاص میں قصور ہو گیا ہو اپنی رحمت سے عفو فرما دیجیے۔ ذکر کا التزام اور صحبتِ اہل اللہ سے یہ سارے مراحل آسان ہو جاتے ہیں۔ بندوں کے ساتھ اخلاق خراب ہونے سے ذکر کا اثر کمزور ہو جاتا ہے۔ اسی طرح ہر نافرمانی کی ظلمت سے ذکر کے انوار میں کمی ہو جاتی ہے۔ لہٰذا جب کسی بندے کی دل آزاری ہو فوراً اس سے معافی مانگ لے خواہ وہ اپنے سے کم رتبہ کا ہو۔ اپنے کو خطا کار نہ سمجھنا سخت انتہائی جہالت ہے۔ اپنی بیتی کا انکار ہے۔ ہر وقت گناہ صادر ہو رہے ہیں اور پھر بھی پاکباز سمجھنا کس قدر جہل ہے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ کُلُّ بَنِیۡ اٰدَمَ خَطَّاءٌ وَخَیۡرُ الۡخَطَّاءِیۡنَ التَّوَّابُوۡنَ [۱۰۳] سب صیغے مبالغے کے ہیں۔ اے لوگو! تم میں سے ہر ایک خطاکار ہے اور بہتر خطاکار وہ ہے جو کثرت سے توبہ کرتا رہتا ہے۔ اس حدیث کے پیش نظر کوئی فرد اُمّت کا ایسا نہیں ہے جو خطاکار نہ ہو، کسی شخص کو یہ حق نہیں کہ اپنے کو پاک سمجھے۔

ہُوَ اَعۡلَمُ بِکُمۡ اِذۡ اَنۡشَاَکُمۡ مِّنَ الۡاَرۡضِ وَ اِذۡ اَنۡتُمۡ اَجِنَّۃٌ فِیۡ بُطُوۡنِ اُمَّہٰتِکُمۡ ۚ
فَلَا تُزَکُّوۡۤا اَنۡفُسَکُمۡ ؕ ہُوَ اَعۡلَمُ بِمَنِ اتَّقٰی [۱۰۴]

۱۰۲؎ الفتح: ۲۹

۱۰۳؎ جامع الترمذی: ۲/۷۶، باب الاستغفار والتوبۃ، ایچ ایم سعید

۱۰۴؎ النجم: ۳۲

ترجمہ: وہ تم کو خوب جانتا ہے جب تم کو زمین سے پیدا کیا تھا اور جب تم اپنی ماؤں کے پیٹ میں بچے تھے، تو تم اپنے کو مقدس مت سمجھا کرو اور تقویٰ والوں کو وہی خوب جانتا ہے۔

جب کسی کو نصیحت کریں تو اس وقت جس کو نصیحت کر رہے ہیں اس کو اپنے سے بہتر سمجھتے ہوئے نصیحت کریں، اگر دل میں اس کی حقارت موجود ہے تو ایسے متکبر شخص کے لیے نصیحت کرنا جائز نہیں۔ نصیحت کرنے کا حق اسی کو ہے جو نصیحت کرتے وقت اپنی بدتری اور حقارت کو سامنے رکھتے ہوئے اور مخاطب کو اپنے سے اچھا سمجھتے ہوئے گفتگو کرے۔ بیان کرنے والا، وعظ کہنے والا سارے مجمع کے مسلمانوں سے اپنے کو کمتر سمجھتے ہوئے بیان کرے۔ اسے اپنے کو بہتر سمجھنے کا حق نہیں ہے۔ ہاں! مرنے کے بعد جب فیصلہ الٰہی کا یقینی علم حاصل ہوگا اس وقت شکر بجالانا۔ بڑے بڑے واعظ، بڑے بڑے عابد، بڑے بڑے شہید قیامت کے دن جب ان سے سوال ہوگا کہ تم نے وعظ کس لیے بیان کیا تھا، تم نے شہادت کس مقصد کے لیے حاصل کی، تم نے عبادت کس لیے کی تھی؟ وہ لوگ جواب دیں گے کہ آپ کے لیے، حق تعالیٰ فرمائیں گے: قَدْ كَذَبَ عَبْدِيْ میرا بندہ جھوٹ بولتا ہے، تو نے اس لیے وعظ کہا تھا کہ لوگوں میں بڑا خوش بیان مشہور ہو جائے، تم اس لیے شہید ہوئے کہ لوگوں میں شجاع اور بہادر گنے جاؤ، تم اس لیے عبادت کرتے تھے کہ لوگ تم کو نیک سمجھیں اور تمہاری تعریف کریں تو تم لوگوں کے یہ کارنامے میری خوشنودی کے لیے نہ تھے۔ ہم دلوں کی نیتوں سے باخبر ہیں ہم سے چوری ممکن نہیں ہے۔ حکم ہوگا فرشتوں کو کہ ان لوگوں کو جہنم میں لے جاؤ۔ بڑے اندھیرے میں وہ لوگ ہیں جو اپنے کو اچھا سمجھتے ہیں۔ فیصلہ تو خدا کے ہاتھ میں ہے لیکن آپ خود ہی اپنے لیے فیصلہ کیے ہوئے ہیں۔ اس نادانی اور جہالت سے اللہ تعالیٰ محفوظ فرمائیں۔ تکبر کا مرض اکثر بے وقوفوں کو ہوتا ہے، عاقل آدمی تکبر میں مبتلا نہیں ہوتا۔ حق تعالیٰ دین کی عقل جس کو عطا فرماتے ہیں وہ تو ہر وقت اپنے کو کافر فرنگ سے بھی بدتر جانتے ہیں۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں اپنے کو ہر مسلمان سے فی الحال اور ہر کافر سے فی المآل بدتر اور کمتر یقین کرتا ہوں۔ واعظ کی حیثیت ایک منادی کی حیثیت ہے، بھنگی سے بھی منادی کرادیتے ہیں۔ جو کچھ بھلائی ہو جائے اس کو انعامِ الٰہی سمجھے اپنے نفس کا کارنامہ نہ سمجھے مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ اور جو کچھ بُرائی ہو اس کو اپنے نفس کا قصور سمجھے وَ مَآ اَصَابَكَ مِنْ

سَیِّئَۃٍ فَمِنۡ نَّفۡسِكَ [١٠٥] حق تعالیٰ نے یہی طریقۂ عبدیت سکھایا ہے ؎

تو مباش اصلاً کمال این است وبس
رو درو گم شو وصال این است وبس

بندگی روبہ از سلطانی است
کہ انا خیر دمِ شیطانی است

٦٣) **ارشاد فرمایا کہ** حدیث شریف میں کامل مسلمان کی پہچان بتائی گئی ہے کہ زبان سے اور ہاتھ سے کسی مسلمان کو تکلیف نہ پہنچے اَلۡمُسۡلِمُ مَنۡ سَلِمَ الۡمُسۡلِمُوۡنَ مِنۡ لِسَانِهٖ وَيَدِهٖ [١٠٦] مسلم اور اس سے ظلم ہو؟ اسلام جب آگیا تو ظلمت کا وجود کیسے رہے گا؟ ظلم اور ظلمت میں ت کا فرق ہے، حدیث شریف میں ہے کہ اَلظُّلۡمُ ظُلُمَاتٌ يَوۡمَ الۡقِيَامَةِ [١٠٧] یعنی ہر ظلم قیامت کے دن تاریکی کی شکل میں ہوگا۔ اسلام میں سلامتی ہے، اسلام کا مادہ وہ ہے جس کے لغوی معنیٰ صلح کے ہیں۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشاد کا مفہوم یہ ہے کہ مسلم جس نام سے تو پکا ہے اس کے اندر جو مفہوم ہے اس کی آبرو کا لحاظ رکھ۔ مسلم کے معنیٰ مادہ سلم ہے یہ امانتِ الٰہیہ ہے اس کو ضایع نہ کر يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا ادۡخُلُوۡا فِي السِّلۡمِ كَآفَّةً یعنی اسلام میں پوری طرح داخل ہو جاؤ اگر سلم سے ذرا بھٹکو گے تو یہ قدم ہٹتے ہی شیطان کے قدم پر پڑے گا اور ہلاک ہو جائیں گے۔ اس آیت کے بعد وَ لَا تَتَّبِعُوۡا خُطُوٰتِ الشَّيۡطٰنِ [١٠٨] فرمایا ہے۔ اسلام کے لفظ میں سلامتی ہے تو اسلام قبول کرنے سے سلامتی کا ظہور ہونا ضروری ہے، خود اس آگ سے محفوظ اور سالم ہو اور یہ اثر تو اسلام لانے پر ہوا اور دوسروں پر کیا اثر ہوگا جبکہ اس مسلم کی زبان سے کسی مسلم کی سلامتی میں فرق نہ آئے، اگر کبھی کوتاہی ہو جائے تو فوراً معاف کرالے۔ کپڑا کبھی میلا بھی ہو جاتا ہے تو اس کو دھولیا جاتا ہے۔ مسلمان کی اصلی شان یہی

---

[١٠٥] النسآء: ٧٩

[١٠٦] صحیح البخاری: ٦/١، باب المسلم من سلم المسلمون...الخ، المکتبۃ القدیمیۃ

[١٠٧] صحیح البخاری: ٣٣١/٢ (٢٤٤١)، باب الظلم ظلمات یوم القیمۃ، المکتبۃ المظہریۃ

[١٠٨] البقرۃ: ٢٠٨

ہے۔ ہمارے اندر جو یہ وصف نہیں ہے یا ہے تو ناقص درجے میں ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے اسلام میں کسر ہے۔ اسلام سے بد ظن نہ ہونا چاہیے۔ طب ایک ظنی فن ہے لہٰذا جب کسی دوا کی خاصیت ظاہر نہیں ہوتی تو کہتے ہیں کہ کوئی عارض پیش آ گیا کوئی بد پرہیزی ہو گئی یا دوا بدل گئی اس بوٹی کے مشابہ دوسری بوٹی استعمال ہو گئی، کتاب اُٹھاتا ہے اور اس دوا کی رنگت اور شکل کو تفصیلاً کتاب سے ملاتا ہے تو کتاب اللہ اور حدیثِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تو یقینی علم ہے اس کے فوائد اور خواص سب یقینی ہیں۔ اسلام کو ہمارے اندر دیکھ کر بد ظن نہ ہوں قرآن اور حدیث کے اندر اسلام کی تعلیمات دیکھیں۔ کسی نے خوب کہا کہ ’’مسلمانان در گور مسلمانی در کتاب‘‘ مسلمان اگرچہ تابع دار بندہ ہے لیکن بندے میں نقصان ہو سکتا ہے، اصلی اور کامل مسلمان خیر القرون میں تھے۔ قانون کو کہیں افراد میں دیکھا جاتا ہے؟ قانون تو قانون کی کتاب میں دیکھا جاتا ہے، افراد تو بدلتے رہتے ہیں، افراد میں چور اور ڈاکو بھی ہوتے ہیں۔ افراد کی چوری اور ڈکیتی سے قانون پر دھبہ نہیں آتا۔ ہاں! ان افراد کو بد معاش کہیں گے۔ اسلام کی شان قرآن اور حدیث میں دیکھنا چاہیے اور ان لوگوں میں جو قرآن اور حدیث پر پوری طرح عمل کرنے والے ہیں۔ بے عمل لوگوں میں اسلام کیا نظر آئے گا؟ صرف نام مسلمان کا سار کھ لیا گیا ہے۔ اسلام اللہ تعالیٰ کا محبوب اور پسندیدہ دین ہے **وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا**[۱۰۹] حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم اسلام کو تمہارا دین بنا کر خوش ہو گئے، اور حق تعالیٰ شانہٗ نے ہمارا نام بھی رکھ دیا ہے **هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِينَ**[۱۱۰] ہمارے پیدا کرنے والے نے ہمارا نام مسلم رکھا ہے، اور دین اسلام کے سوا جو شخص کسی دوسرے دین کو تلاش کرے گا تو ہر گز وہ دین مقبول نہ ہو گا **وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ**[۱۱۱]

۶۴) **ارشاد فرمایا کہ** نماز میں قیام کو حق تعالیٰ نے قنوت سے مقید فرمایا ہے اور رکوع وسجدہ کو مقید نہیں فرمایا تو بات یہ ہے کہ رکوع میں اور سجدے میں اکڑنے کی کوئی صورت

---

۱۰۹ المائدۃ:۳
۱۱۰ الحج:۷۸
۱۱۱ اٰل عمرٰن:۸۵

ہی نہیں ہے۔ برعکس قیام میں کہ آدمی اکڑ کر بھی کھڑا ہو سکتا ہے اس لیے فرمایا: **قُوۡمُوۡا لِلّٰہِ قٰنِتِیۡنَ** کھڑے ہو اپنے اللہ مالک کے سامنے فروتن (عاجز) ہو کر، تابع دار بن کر، اور رکوع و سجدہ میں بغیر فروتنی کے کوئی دوسری ہیئت ممکن ہی نہیں۔

۶۵) **ارشاد فرمایا کہ** **اَلَسۡتُ بِرَبِّکُمۡ**[۱۱۲] کے سوال سے یہ بتادیا کہ تمہارے سامنے ہماری ربوبیت ہمہ وقت پیشِ نظر ہے اور جب ربوبیت سامنے ہوگی تو تمہارے اندر ہماری ربوبیت کی استعداد اور صلاحیت پیدا ہو جائے گی۔ اللہ تعالیٰ کی صفتِ ربوبیت کو معرفت میں بہت دخل ہے۔

۶۶) **ارشاد فرمایا کہ** قرآنِ مجید میں حق تعالیٰ نے اپنی ایک صفت ذوانتقام ذکر فرمائی ہے **وَاللّٰہُ عَزِیۡزٌ ذُو انۡتِقَامٍ**[۱۱۳] لیکن حق تعالیٰ کا انتقام لینا یعنی بدلہ لینا متعارف معنیٰ میں نہیں ہے۔ کیوں کہ بدلہ لینا فریقِ مخالف کی کسی درجہ میں قوت پر دلیل ہے اور حق تعالیٰ کی قدرتِ قاہرہ تمام مخلوقات کو ایک معمولی اشارے سے فنا کر سکتی ہے، دوسری بات یہ ہے کہ بدلہ لینے میں تاثر ہوتا ہے اور تاثر ہے مستلزم تغیر کو اور تغیر مستلزم ہے حدوث کو جو شانِ الوہیت کے خلاف ہے۔ یہاں انتقام کا لفظ علاجاً استعمال فرمایا گیا ہے یعنی نافرمانوں کی ترہیب اور تخویف مقصود ہے۔ کیوں کہ لفظ بدلہ سے ایک ضعیف مخلوق دوسری قوی مخلوق سے خائف ہو جاتی ہے تو خالق کی طرف سے اس لفظ کی اور ہیبت بڑھ جائے گی اور ہیبتِ خداوندی سے اپنی سرکشی اور طغیانی ترک کر کے اطاعت میں لگ جائیں گے۔ اور نیک بندوں کی خاطر کرنا بھی مقصود ہے یعنی جو ہمارے مظلوم ہیں اور ان کا جُرم صرف اتنا ہے کہ ہمارے اوپر ایمان لائے ہیں **وَمَا نَقَمُوۡا مِنۡہُمۡ اِلَّاۤ اَنۡ یُّؤۡمِنُوۡا بِاللّٰہِ الۡعَزِیۡزِ الۡحَمِیۡدِ**[۱۱۴] اور ان کافروں نے ان مسلمانوں میں اور کوئی عیب نہیں پایا تھا بجز اس کے کہ وہ خدا پر ایمان لے آئے تھے جو زبردست سزاوار حمد ہے۔ تو ہمارے ان مظلوموں کی جو بدلہ لینے سے عاجز ہیں اس لفظ سے کہ میرا اللہ بدلہ لینے والا ہے، تسلی ہو جائے گی۔ چناں چہ

---

[۱۱۲] الاعراف:۱۷۲
[۱۱۳] اٰل عمرٰن:۴
[۱۱۴] البروج:۸

حضرت نوح علیہ السلام نے بھی دُعا ایسی ہی فرمائی ہے: **فَدَعَا رَبَّهٗٓ اَنِّیْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ**[۱۱۵] تو نوح نے اپنے رب سے دُعا کی کہ میں درماندہ ہوں سو آپ انتقام لے لیجیے۔ الغرض اس مجاز کے اختیار میں ظالمین کی سرکوبی اور مظلومین کی تسلی ہے۔

۶۷) **ارشاد فرمایا کہ** حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو سفر میں کھانا کھانے کے بعد اُنگلیوں میں جو روغن دار شوربے کا اثر رہ جاتا ہے اس کو کپڑے سے صاف کرتے ہوئے دیکھا اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین روغن دار سالن کے اثر کو یوں دور فرمایا کرتے تھے۔

۶۸) **ارشاد فرمایا کہ رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا**[۱۱۶] یعنی اے ہمارے رب! ہمارے نور کو تام فرما دیجیے۔ اس میں اتمامِ نور کی جو درخواست ہے اس اتمام میں ہر شخص کے ظرف کے اعتبار سے مراتب ہیں ہر بندے کی تمامیت علیحدہ علیحدہ ہے، علم الٰہی میں ہر ایک کا الگ الگ حصہ ہوتا ہے۔ نبی کی تمامیت اور ہے، صدیق کی تمامیت اور ہے، شہداء کی تمامیت اور ہے، صالحین کی تمامیت اور ہے، ہر ایک اپنے ظرف اور حوصلے کے مطابق تمامیتِ نور کی درخواست کرتا ہے۔

۶۹) **ارشاد فرمایا کہ** جو لوگ عمر بھر ریاضت کرتے ہیں اور طرح طرح کا وظیفہ اور مراقبہ کرتے ہیں لیکن اہل اللہ کی صحبت حاصل کرنے کی فکر نہیں کرتے ایسے لوگ اس راہ میں کورے اور محروم رہتے ہیں ؎

بے رفیقے ہر کہ شد در راہِ عشق
عمر بگذشت و نشد آگاہِ عشق

ایسے لوگوں کی مثال اس تِل کی سی ہے جس کو تمام عمر رگڑ رگڑ کر دھویا گیا ہو لیکن گلاب کے پھول کی صحبت میں اس کو نہ رکھیں تو ہرگز وہ روغن نہ بن سکے گا۔ عمر بھر کی رگڑائی کے باوجود تِل کا تِل رہے گا۔ اسی طرح جو لوگ مجاہدہ نہیں کرتے یعنی ان ہی معمولات اور ترک نہی کا التزام نہیں کرتے ان کو صحبت کے بغیر کامل نفع نہیں ہوتا اور ان کی مثال اس تِل کے مانند ہے

---

۱۱۵ القمر: ۱۰
۱۱۶ تحریم: ۸

جس کو گرد و غبار بغیر دھلائے گلاب میں بسادیں اس حالت میں تیل تو ہو گا لیکن گلاب کی بات، اس کی خوشبو اس کے اندر جذب نہ ہو گی اگر جذب بھی ہو گی تو برائے نام ہو گی۔ کامل خوشبو گلاب کی اسی وقت جذب ہوتی ہے جب تِل کو مجاہدات کرائے جاتے ہیں۔ مجاہدہ، صحبت دونوں میں سے ہر ایک جُز اپنی جگہ پر اشد ضروری ہے اس کے لیے نہ تو فقط جُز ''مجاہدہ'' کافی ہو سکتا ہے اور نہ فقط ''صحبت'' کا اثر کافی ہو سکتا ہے، التزامِ ذکر ہو اور کسی کامل کی صحبت ہو تو ان شاء اللہ محروم نہ ہو گا ایک نہ ایک دن حق تعالیٰ کے فضل سے صاحبِ نسبت ہو جائے گا وہاں تو صرف کُنْ کہنا کافی ہے۔ کُنْ فَیَکُوْنُ[۱۱۷]

۷۰) **ارشاد فرمایا کہ** جو لوگ کھانے پینے میں احتیاط نہیں کرتے ان سے بُرائیاں بہت ہوتی ہیں، حلال اور حرام کی تمیز نہ ہونے سے یہ راستہ بہت مشکل ہو جاتا ہے، ایسے لوگوں کو اپنے نفس پر قابو نہیں ہے۔ کیوں کہ حرام غذا سے حرام افعال پیدا ہوتے ہیں حلال اور طیب غذا کھانے سے نیک اعمال پیدا ہوتے ہیں۔ اور ایسے لوگوں کو اپنے نفس پر بہت جلد قابو مل جاتا ہے جو لوگ اپنی اصلاح کے لیے فکر مند ہوں، ان کو چاہیے کہ حلال کھانے کا بھی بہت اہتمام رکھیں اکلِ حلال کو اعمالِ صالحہ سے ایک خاص تعلق ہے جس کو میں نے اس آیت سے سمجھا ہے: یٰۤاَیُّھَا الرُّسُلُ کُلُوْا مِنَ الطَّیِّبٰتِ وَ اعْمَلُوْا صَالِحًا[۱۱۸] حق تعالیٰ اپنے پیغمبروں کو خطاب فرما رہے ہیں کہ اے ہمارے رُسل! پاک کھایا کرو اور اچھے عمل کیا کرو۔ اس آیت میں اکلِ حلال کی عجیب عنوان سے تعلیم فرمائی گئی ہے۔ انبیاء علیہم السلام معصوم ہوتے ہیں یہاں اکلِ حرام کا احتمال ہی نہیں ہے لیکن اس کے باوجود پیغمبروں کو اکلِ حلال کے لیے امر فرمانا اکلِ طیبات کی اہمیت کو مؤکد کرتا ہے، اور اکلِ طیبات کے بعد عملِ صالح کا امر فرما کر یہ بتادیا کہ جب پاک کھاؤ گے تو نیک اور پاکیزہ اعمال بھی پیدا ہوں گے اور نفس سہولت اور آسانی سے طاعات کا پابند ہو جائے گا۔ کیوں کہ پاک خوراک سے خون نورانی اور پاک پیدا ہو گا اور وہی خون آنکھوں میں کان

---

[۱۱۷] البقرۃ: ۱۱۷

[۱۱۸] المؤمنون: ۵۱

میں زبان اور تمام اعضاء میں پھیل کر بھلے کاموں کی استعداد اور رغبت پیدا کرے گا اور قلب میں خیر کے ارادے پیدا ہوں گے اعضا ارادۂ خیر کے تابع دار ہوں گے۔

۷۱) **ارشاد فرمایا کہ** علامہ شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ بازار میں جو جیسا مال لے جاتا ہے اس کو ویسا ہی مال ملتا ہے۔ حرام رقم سے مثلاً گیہوں خرید ا تو غلّے میں جتنے حرام دانے ہوں گے سب حکمِ الٰہی سے اس کے پلّے پڑ جائیں گے۔ اسی طرح جو حلال آمدنی سے خریدا ہے اس کے لیے حلال دانے سمٹ کر اس کے پلّے میں پڑ جاتے ہیں۔ اس کی تشریح یوں سمجھ میں آئی ہے کہ اس وقت حکمِ الٰہی ہو جاتا ہے اے خبیث دانو! الگ ہٹ جاؤ وَامۡتَازُوا الۡیَوۡمَ اَیُّھَا الۡمُجۡرِمُوۡنَ[۱۱۹] قیامت کے دن مجرمین اور صالحین ایک ساتھ کھڑے ہوں گے پھر حق تعالیٰ فرمائیں گے: وَامۡتَازُوا الۡیَوۡمَ اَیُّھَا الۡمُجۡرِمُوۡنَ الگ ہو جاؤ اے مجرمو! تم کہاں سے ہمارے نیک بندوں میں کھڑے ہو گئے۔

۷۲) **ارشاد فرمایا کہ** قولِ مشائخ **الامر فوق الادب** پر کبھی غلبۂ حال کی وجہ سے بندہ عمل کرنے سے معذور ہو جاتا ہے اور اس کا ثبوت حدیثوں میں موجود ہے چناں چہ حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا یَا اَبَا بَکۡرٍ مَّا مَنَعَكَ اَنۡ تَثۡبُتَ اِذۡ اَمَرۡتُكَ اے ابو بکر! تم کو کس چیز نے روک دیا عمل کرنے سے جبکہ میں نے نماز پڑھانے کے لیے تم کو حکم کیا؟ حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: مَا کَانَ لِابۡنِ اَبِیۡ قُحَافَةَ اَنۡ یُّصَلِّیَ بَیۡنَ یَدَیۡ رَسُوۡلِ اللہِ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ[۱۲۰] یعنی ابو قحافہ کے بیٹے کے لائق یہ بات نہ تھی کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہوتے ہوئے نماز پڑھائے۔ غلبۂ فنائیت اور عبدیت سے اپنا نام نہیں لیا ابنِ ابی قحافہ سے تعبیر فرمایا۔ ابو قحافہ آپ کے والد تھے۔ پھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سکوت فرمایا اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اس قول پر کوئی نکیر نہیں فرمائی۔ جس سے ثابت ہوا کہ اگر ادب کا حال غالب ہو جائے جیسا کہ حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ

۱۱۹؎ یٰسٓ: ۵۹

۱۲۰؎ صحیح البخاری: ۹۴/۱ (۶۸۸)، باب من دخل لیؤم الناس فجاء الامام الاول---الخ، المکتبۃ المظہریۃ

پر عظمتِ رسالت کے استحضار سے اس وقت ادب کا حال غالب ہو گیا تھا تو اس وقت بندہ تعمیلِ حکم سے معذور ہو جاتا ہے۔ اور اس کی تائید ایک اور حدیث سے بھی ہوتی ہے صلح حدیبیہ میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کفار نے یہ شرط ٹھہرائی کہ ہم صلح نامہ پر دستخط اس شرط پر کریں گے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا صرف نام ہو نام کے ساتھ رسول نہ لکھا ہو، کیوں کہ اگر ہم رسول ہی تصور کر لیں تو پھر یہ جنگ وغیرہ کیوں ہو۔ آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا کہ اُمْحُہٗ یعنی میرے نام سے لفظ رسول مٹادو تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا: وَاللّٰہِ لَا اَمْحُوْکَ خدا کی قسم! میں آپ کو نہ مٹاؤں گا یہ نہیں فرمایا کہ میں آپ کے نام کو نہ مٹاؤں گا۔ بلکہ یوں فرمایا کہ آپ کو نہ مٹاؤں گا۔ کس قدر ان حضرات میں ادب غالب تھا کہ اسم اور مسمیٰ میں فرق نہ کر سکے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پاک کی اس قدر عظمت دل میں تھی جتنی کہ خود حضور کی ذات پاک کی تھی۔ پھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خود اپنے ہاتھ سے مٹایا اور آپ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر کوئی نکیر نہیں فرمائی۔ ان دونوں حدیثوں سے پتا چلتا ہے کہ بعض وقت اور بعض موقع ایسا بھی ہوتا ہے اَلْاَمْرُ فَوْقَ الْاَدَبِ کے کلیہ پر وہاں عمل نہیں کیا جاتا اور اس وقت انسان پر ایک حالت طاری ہو جاتی ہے۔

۷۳) **ارشاد فرمایا کہ** حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جس کا نقشہ اچھا ہوتا ہے اس کے اخلاق بھی اچھے ہوتے ہیں اور میرے دل میں اس کی تائید اس حدیث سے سمجھ میں آئی ہے: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ تعجب ہے اس شخص پر جس کی صورت اچھی ہو اور اس کے اخلاق نہ اچھے ہوں۔

۷۴) **ارشاد فرمایا کہ** یَاحَیُّ یَاقَیُّوْمُ یا لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَکَ اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ کا وِرد رفع قبض باطنی اور رفعِ ظلمت کے لیے مجرب ہے۔ کوئی سالک جو قبضِ باطنی طویل سے عاجز و پریشان ہو اور نجات نہ ملتی ہو اس وِرد کو ۳۶۰ بار اوّل آخر درود شریف تین تین بار کے ساتھ پڑھنا شروع کر دے ان شاء اللہ قلب انوار سے بھر جائے گا۔

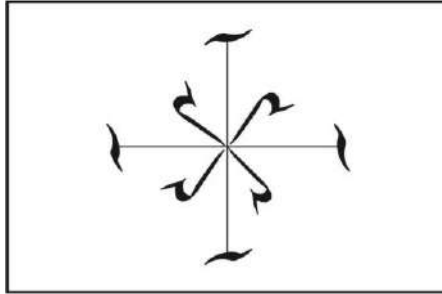
۷۵) **ارشاد فرمایا کہ** گاہ گاہ اپنے دینی احباب سے ملتے رہنا چاہیے مسلسل تنہائی سے اپنے اوپر نگاہ جمنے لگتی ہے یعنی خود پسندی میں مبتلا ہونے کا خطرہ ہوتا ہے۔

خیالات نادان خلوت نشین

بہم بر کند عاقبت کفر و دیں

تجربہ ہے کہ مطلقاً ترکِ اختلاط سے آدمی عُجب میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اختلاط میں تقلیل مطلوب ہے نہ کہ مطلق ترک، اور خلوت بھی اس خیال سے محمود ہے کہ مخلوقِ خدا ہمارے شر سے محفوظ رہے، اور اگر لوگوں کو بُرا سمجھ کر خلوت اختیار کر رکھی ہے تو یہ خلوت اس کے لیے موجب ہلاکت ہے۔ کیوں کہ منشاء اس خلوت کا اس کا عجب اور تکبّر ہے۔ یہ راستہ بڑا نازک ہے **فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ**[۱۲۱] ہر کام کو اللہ والوں سے پوچھ پوچھ کر کرنا چاہیے۔

نقش برائے عرق النساء یعنی لنگڑی کا درد۔



پہلے مریض کو اُلٹا لٹا دیں پھر گری کے اوپر جو سخت لکڑی ہوتی ہے اس کی پیالی میں تعویذ کا نقش رکھیں اور ے پرت کپڑے کی گدی بنا کر مریض کے کولہے کی ہڈی پر رکھیں اوپر سے نقش کی پیالی رکھیں اور کپاس کی لکڑی ۲ عدد لے لیں ایک لکڑی کے کنارے میں آگ لگا کر جو پہلے ہی سے تیار رکھی ہو اس نقش پر رکھ دیں، اسی طرح بار بار دونوں لکڑیوں کو نقش پر رکھیں مریض کو سخت پریشانی ہو گی دو آدمی مریض کو پکڑے رہیں۔ پھر مریض کے مقام ماؤف پر چھالہ اسی وقت پڑ جائے گا کچھ دیر بعد چھالوں پر مکھن وغیرہ لگا دیں چھالہ ٹھیک ہو جاوے گا۔ ایک ہی دفعہ اس

۱۲۱؎ النحل: ۴۳

عمل سے مریض اچھا ہو جاتا ہے بعض مریضوں کو دوبارہ بھی اس عمل کی ضرورت پڑتی ہے۔

۷۶) ارشاد فرمایا کہ نعمتوں کو محض نعمت نہ سمجھے ہر نعمت اللہ کی حجت ہے قیامت کے دن نعمتوں کے متعلق سوالات ہوں گے ثُمَّ لَتُسۡـَٔلُنَّ یَوۡمَئِذٍ عَنِ النَّعِیۡمِ[۱۲۲] اور قیامت کے دن نعمتوں کے متعلق تم لوگوں سے پوچھ گچھ ہوگی۔

۷۷) ارشاد فرمایا کہ علامہ شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ جس حاجت کی کسی مخلوق سے اطلاع نہ کرے پہلے اللہ تعالیٰ سے خوب دُعا کرلے پھر تدبیر میں مشغول ہو تو وہ حاجت پوری ہو جاتی ہے۔

۷۸) ارشاد فرمایا کہ لرزہ بخار کا یہ تعویذ میرے معمولات سے ہے دو ٹکڑے کاغذ کے لیے جائیں ایک پر ہاروت دوسرے پر ماروت لکھیں جاڑا (کپکپی) چڑھنے سے پہلے داہنے ہاتھ میں ہاروت والا رقعہ اور بائیں ہاتھ میں ماروت والا رقعہ باندھ دیں پھر جب بخار چڑھ آئے تو اس کے برعکس باندھ دیں یعنی داہنے ہاتھ میں ماروت والا اور بائیں ہاتھ میں ہاروت والا کر دیں۔

۷۹) ارشاد فرمایا کہ غم کا ترجمہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے گھٹن فرمایا ہے اور مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کے شعر ”غم چو بینی زود استغفار کن“ میں غم سے مراد قبض باطنی ہے۔

۸۰) ارشاد فرمایا کہ جو شخص اپنے حاکم سے تنگ ہو، حاکم خواہ شوہر ہو یا کوئی اور ہو جس کی ماتحتی میں کلفتوں کا سامنا ہو وہ اس آیت کو ستّر بار مع درود شریف اوّل آخر تین تین بار پڑھ کر دُعا کرلیا کرے: اَللّٰہُ لَطِیۡفٌۢ بِعِبَادِہٖ یَرۡزُقُ مَنۡ یَّشَآءُ ۚ وَ ہُوَ الۡقَوِیُّ الۡعَزِیۡزُ[۱۲۳] ان شاء اللہ حاکم مہربان ہو جاوے گا۔

۸۱) ارشاد فرمایا کہ خلوت اس نیت سے کرنا چاہیے کہ میں بُرا ہوں اللہ کی مخلوق میری بُرائی سے محفوظ رہے گی، نہ یہ کہ اپنے کو اچھا سمجھے اور مخلوق کو بُرا سمجھ کر الگ رہنا پسند کرے یہ تو سخت مہلک مرض ہے، دین نہیں ہے کیوں کہ اپنے کو اچھا سمجھنا تمام حسنات پر پانی پھیر دیتا ہے۔ ایسا شخص مخلوق سے تو الگ ہوا لیکن اپنے نفس سے الگ نہ ہوا۔

۱۲۲؎ التکاثر:۸

۱۲۳؎ الشوریٰ:۱۹

۸۲) **ارشاد فرمایا کہ** روزی کی تنگی کے لیے تین سو آٹھ بار **حَسْبُنَا اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ** [۱۲۴] اوّل آخر درود شریف تین تین بار پڑھ کر روز دُعا کرلینا تنگی کے لیے عجیب النفع ہے۔ اگر اس کو زندگی بھر ہمیشہ پڑھتا رہے تو ان شاء اللہ غیب سے روزی کے دروازے کھلتے رہیں گے اور رزق کی پریشانی کبھی نہ ہو۔ بزرگوں کے معمولات سے ہے اور قرآن شریف میں حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جس وقت حضرات صحابہ کی جماعت کو کسی نے یہ سنایا کہ ہوشیار ہو جاؤ تمہارے دشمن کفار بڑی تعداد میں آرہے ہیں تو حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے کہا: **حَسْبُنَا اللّٰہُ وَ نِعْمَ الْوَکِیْلُ** ہمارا اللہ ہم کو کافی ہے اور وہ ہمارا بہترین کارساز ہے۔ آگے حق تعالیٰ فرماتے ہیں: **فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَۃٍ مِّنَ اللّٰہِ** [۱۲۵] یعنی **حَسْبُنَا اللّٰہُ وَ نِعْمَ الْوَکِیْلُ** کی برکت اور خدا پر بھروسہ کامل کا ثمرہ کیا ملا اور کس قدر جلد ملا کہ اللہ کی نعمت لے کر لوٹے **فَانْقَلَبُوْا** میں **فا** تعقیب کے لیے ہے جس سے اشارۃً پتا چلتا ہے کہ **حَسْبُنَا اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ** کا اثر بہت جلد ظاہر ہوا، فتح بھی نصیب ہوئی اور مالِ غنیمت بھی لے کر لوٹے۔

۸۳) **ارشاد فرمایا کہ** حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے خواب میں مجھے سلطان الاذکار کی تعلیم دی جو بہت ہی نافع ہے۔ خواب میں فرمایا کہ سو بار اللہ اللہ کا ذکر اس طرح کریں کہ جب قلب کے مقام سے اللہ نکالیں تو یہ مراقبہ کریں کہ گویا میرے ہر بُن مُو سے اللہ نکل رہا ہے، اور جلدی نہ کرے ٹھہر ٹھہر کر اطمینان کے ساتھ ذکر کرے، کم از کم سو بار بھی اگر ہر روز توفیق ہو جائے تو تعلق مع اللہ اور نسبت مع اللہ کے رسوخ اور اس میں قوت پیدا کرنے میں بڑی مدد ملتی ہے۔ حصولِ نسبت کے لیے اکسیر اعظم ہے۔

۸۴) **ارشاد فرمایا کہ** دشمنوں اور ظالموں کے شر سے بچنے کے لیے تین سو اکتالیس بار **حَسْبُنَا اللّٰہُ وَ نِعْمَ الْوَکِیْلُ** اوّل آخر تین تین بار درود شریف کے ساتھ پڑھنا اور دُعا مانگنا اکسیرِ اعظم اور عجیب التاثیر کیمیا ہے۔ میں ظالموں کے مقابلے کے لیے مظلومین کے مقدمات وغیرہ میں اسی کو پڑھنے کے لیے بتادیا کرتا ہوں۔ بفضلہٖ تعالیٰ تخلف نہیں ہوتا۔

۱۲۴؎ اٰل عمرٰن: ۱۷۳

۱۲۵؎ اٰل عمرٰن: ۱۷۴

۸۵) **ارشاد فرمایا کہ** جب کسی کی اصلاح یا مغفرت کے لیے دُعا کرے تو اپنے کو بھی دُعا میں شامل کرلے بلکہ اپنے کو دُعا میں مقدم رکھے تاکہ اپنی احتیاج بھی اصلاح اور مغفرت کے لیے ظاہر ہو، عبدیت کا مقتضا یہی ہے۔ اپنے کو بغیر شامل کیے دوسروں کے لیے دُعا کرنے میں عجب کا اندیشہ ہے۔

۸۶) **ارشاد فرمایا کہ** نقش ذیل بازو پر باندھنا دشمن کو شکست دیتا ہے اور مغلوب کرتا ہے، مغلوب مسلمانوں کو میرا یہی نقش دینے کا معمول ہے ظالم کے شر سے حفاظت کے لیے مجرب ہے:

ر	ہ	ا	ق
الف	ق	ر	ہ
ق	ا	ہ	ر
ہ	ر	ق	ا

۸۷) **ارشاد فرمایا کہ** حکام دنیا کے سامنے یہ نقش عمامہ یا ٹوپی میں رکھ کر جانا بفضلہٖ تعالیٰ مجرب ہے۔ مظلوم کی فتح اور کامیابی کے لیے میرے معمولات سے ہے:

۳۷۵	۳۷۴	۳۷۹		
	۳۸۰	۳۷۶	۳۷۲	
		۳۷۳	۳۷۸	۳۷۷

۸۸) **ارشاد فرمایا کہ** چور دانت جو بچوں کو نکلتا ہے اور بہت تکلیف دیتا ہے اور بچوں کو ہرے پیلے دست آنے لگتے ہیں اس کے لیے **لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ، اَللّٰھُمَّ اشْفِ عَبْدَكَ وَصَدِّقْ رَسُوْلَكَ** سیاہ روشنائی یا زعفران سے لکھ کر بچے کے گلے میں تعویذ کی طرح ڈال دیں۔ یہ بھی میرے معمولات سے ہے۔

۸۹) ارشاد فرمایا کہ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۸۰۰ بار ہر روز پڑھنا عجیب کیمیا ہے، تمام ظاہری و باطنی فتوحات اس کی برکت سے کھل جاتے ہیں۔ حضرت شاہ عبد القادر صاحب غوث پاک رحمۃ اللہ علیہ نے غنیۃ الطالبین میں اس وِرد کو بہت مجرب لکھا ہے۔ بعض کا قول اس کے اسمِ اعظم ہونے کے متعلق بھی ہے۔

۹۰) ارشاد فرمایا کہ جب کوئی نیک کام ہو جاتا ہے تو دل بہت خوش ہوتا ہے اور یہ اس حدیث سے محمود معلوم ہوتا ہے: اَلَّذِیۡنَ اِذَا اَحۡسَنُوۡا اِسۡتَبۡشَرُوۡا وَاِذَا اَسَاؤُوۡا اِسۡتَغۡفَرُوۡا [۱۲۶] یہ ایمان کی علامت ہے کہ بھلے کاموں سے خوش ہو اور بُرے کاموں سے فوراً استغفار کرے، یہ عُجب نہیں ہے۔

۹۱) ارشاد فرمایا کہ وَاَمَّا مَنۡ جَآءَکَ یَسۡعٰی ۙ وَھُوَ یَخۡشٰی [۱۲۷] اور جو شخص آپ کے پاس دوڑتا ہوا آتا ہے اور ڈرتا ہے یہ آیت حضرت عبد اللہ ابنِ ام مکتوم نابینا صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ یہ سعی یعنی دوڑنا کس سبب سے تھا؟ محبت کی وجہ سے، اور ساتھ میں خشیت یعنی ڈر بھی ملا ہوا تھا۔ اس خوف کی دو تفسیریں ہیں: ایک تو یہ کہ اللہ کا ڈر تھا۔ دوسری یہ کہ ڈر لگا ہوا تھا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ملاقات ہو یا نہ ہو۔

۹۲) ارشاد فرمایا کہ اپنی لاعلمی کا اظہار بھی ایک علم ہے، اس میں اپنی بندگی کا اظہار ہے۔ لاعلمی کے اظہار میں اپنے جہل کا علم ہے اور اظہار میں عبدیت کی شان ہے، اور غلط دعویٰ کرنا تو علم کے خلاف ہے۔

۹۳) ارشاد فرمایا کہ شوق کا ترجمہ حضرت فضل رحمٰن صاحب گنج مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ نے تڑپ فرمایا ہے۔ کیا اچھا ترجمہ ہے۔

۹۴) ارشاد فرمایا کہ خشوع پر فلاح منحصر ہے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے "بیان القرآن" میں تحریر فرمایا ہے کہ بدونِ خشوع کے نماز نامقبول ہوتی ہے اگرچہ قواعد فقہیہ

---

[۱۲۶] سنن ابن ماجۃ: ۲/۳۰۶ (۳۸۲۰)، باب الاستغفار، المکتبۃ الرحمانیۃ

[۱۲۷] عبس: ۸-۹

کی رو سے نماز کا صحیح ہونا اور بات ہے، مقبول ہونا اور بات ہے۔ دلالتِ نظمِ قرآن سے بھی یہی مفہوم ہوتا ہے: قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۙ الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ [۱۲۸] حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: بالتحقیق ان مسلمانوں نے فلاح پائی جو اپنی نماز میں خشوع کرنے والے ہیں۔ تو عدم خشوع پر عدم فلاح کا ترتب ثابت ہوتا ہے اور فلاح نہ پانا نامقبولیت کے سبب سے ہے۔ نماز میں خشوع کا کیا مطلب ہے؟ خشوع کی تفسیر حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے خوف سے کی ہے، اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ خشوع سے مراد دل کا ڈرنا ہے، جب عظمت اور کبریائی اللہ کے سامنے ہوگی تو آنکھیں نیچی ہو جاویں گی اور بازو جھک جاویں گے۔ دل اللہ کے سامنے جھکا ہوا ہے جس کے اثر سے اعضاء بھی اپنی انتہائی ذلّت اور عاجزی و بندگی کے ساتھ کبھی قیام میں ہیں کبھی رکوع میں ہیں کبھی سجدہ میں ہیں۔ کثرتِ وساوس اس خشوع کے منافی نہیں۔ وساوس کا آنا کچھ مضر نہیں وساوس کا لانا مضر ہے۔ وساوس کی مثال ایسی ہے کہ دو آدمی آپس میں گفتگو کر رہے ہیں درمیان سے مکھی اڑ گئی، چیونٹی چلی گئی تو یہ باتیں مخل گفتگو نہیں ہوتی ہیں اسی طرح وساوس کو سمجھنا چاہیے ان کے آنے سے خشوع میں کوئی کمی نہیں ہوتی ہے۔ ہاں! وساوس کو لانا بُرا ہے، کیوں کہ لانے میں اپنا اختیار صَرف کیا گیا ہے۔ خشوع کا مفہوم تو صرف اتنا ہے کہ عظمتِ الٰہیہ پیش نظر رکھتے ہوئے قیام و رکوع و سجدہ کیا جائے، وساوس کا آنا چوں کہ بندوں کے اختیار سے نہیں ہے اس لیے اس پر مواخذہ نہیں ہے۔ حضرت غوثِ پاک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے بہت کوشش کی کہ ایک تسبیح ذکر اللہ کی اس طرح پوری کرلوں کہ کوئی وسوسہ بیچ میں نہ آوے تو سو (۱۰۰) دانے اس طرح پورے نہ ہوسکے۔ یکسوئی کا مفہوم قلب سے نہیں ہے کیوں کہ یکسوئی غیر اختیاری امر ہے۔ خشوع کس طرح پیدا ہوتا ہے؟ جب اس طرح عبادت کی جائے کہ گویا اپنے اللہ کو دیکھ رہا ہے۔ یہ دھیان بندھا ہوا ہو کہ ہم کس کے سامنے کھڑے ہیں کس کے سامنے جھکے ہیں کس کے سامنے پڑے ہیں اسی کا نام حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے احسان فرمایا ہے اَنْ تَعْبُدَ

---

[۱۲۸] المؤمنون: ۱-۲

اللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ اپنے اللہ کی اس طرح عبادت کرو کہ گویا اپنے اللہ کو دیکھ رہے ہو۔ اس کیفیت کے ساتھ یہ نماز حقیقی نماز بنتی ہے۔ خشوع کی شرح کے متعلق تہجد کے وقت تین جملے وارد ہوئے۔ ۱) دبا کھڑا، ۲) دبا جھکا، ۳) دبا پڑا۔ خشوع کے لغوی معنی دب جانے کے ہیں۔ نماز میں بندہ اللہ تعالیٰ کی کبریائی کے سامنے کھڑا ہے کس طرح کھڑا ہوا ہے؟ دبا کھڑا ہوا ہے، اسی طرح رکوع اور سجدے میں دبا ہوا ہے۔ اللہ کی بڑائی کا ایک پہاڑ سر پر رکھا ہوا ہے۔ دنیا میں ایک معمولی انسان کسی بڑے حاکم کے سامنے کس طرح کھڑا ہوتا ہے، طبعاً اس قدر مرعوب ہوتا ہے کہ بے اختیار دبا جاتا ہے۔ خشوع کی تشریح کے لیے یہ تین جملے خوب عطا ہوئے ہیں دبا کھڑا (قیام میں)، دبا جھکا (رکوع میں) دبا پڑا (سجدہ میں) نماز ایسی عبادت ہے کہ اس میں حق تعالیٰ کے ساتھ بڑا قرب ہوتا ہے اس قدر گہرا تعلق اللہ سے ہوتا ہے کہ کسی سے بول نہیں سکتے۔ حج میں، زکوٰۃ دینے میں بول سکتے ہیں اور نماز میں بولنا منع ہے، ہمہ تن اپنے اللہ کی طرف متوجہ رہو۔ وساوس کی طرف بھی توجہ نہ کرو بالکل ساکت، غیر اللہ سے بالکل خالی۔ قیامت کے دن نماز کی اوّلین پرسش (جواب طلبی) کی وجہ یہ سمجھ میں آتی ہے کہ نماز کے اندر حج اور زکوٰۃ اور روزہ بھی موجود ہے۔ کعبہ میں تو نہیں ہے مگر کعبہ کی طرف سیدھ باندھ کر کھڑے ہوئے ہیں تو گویا کعبہ کے سامنے کھڑے ہیں۔ اس عنوان سے حج کی حقیقت بھی نماز کے اندر شامل ہے، اور نماز کی حالت میں کھاپی نہیں سکتے جب تک نماز میں ہیں روزہ دار ہیں۔ زکوٰۃ میں انفاقِ مال ہوتا ہے تو نماز کے لیے کپڑوں کا انتظام بقدرِ ستر کرنا ضروری ہوتا ہے۔ مال کا خرچ بھی نماز میں داخل ہے۔ یہ فرائض مع شے زائد کے نماز میں موجود ہیں اور شے زائد کیا ہے؟ وہ سکوت ہے۔ روزہ حج زکوٰۃ میں تو بول بھی سکتے تھے اور نماز میں تمام تسبیحات بھی ہیں تلاوت اور درود شریف بھی ہے۔ اس تقریر سے نماز کی جامعیتِ شان ثابت ہوتی ہے اور اس کے اوّل سوال کی وجہ سمجھ میں آگئی کہ قیامت کے دن اس کا اوّل سوال تمام سوالات کو لیے ہوئے ہے لیکن نماز کی اس جامعیتِ شان سے کوئی نادان یہ نہ سمجھے کہ بس نماز پڑھ لینے سے روزہ حج اور زکوٰۃ سے بچ جاؤ گے، ہر فرض اپنی جگہ پر فرض ہے لیکن حق تعالیٰ نے نماز کے ارکان اس طرح بنادیے کہ اس میں شانِ جامعیت پیدا ہوگئی اور اپنا قرب اس قدر اس میں رکھا کہ

حدیث شریف میں نماز کو معراج المومنین فرمایا گیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے اس اُمّت کی یہ ایک امتیازی شان ہے کہ ہر مومن کو نماز میں معراج نصیب ہوتی ہے ۔ مگر ہر نماز معراج المومنین نہیں ہے جو نماز خشوع کے ساتھ ہوتی ہے وہ نماز معراج المومنین ہوتی ہے۔ نماز میں خشوع حاصل ہونے کے لیے حق تعالیٰ نے خشوع والی آیت کے بعد چند شرائط بیان فرمادیئے ہیں کہ خشوع یعنی اللہ کے سامنے نماز میں دبنا ان لوگوں کو نصیب ہوتا ہے جو لوگ لغو باتوں سے بچتے ہیں۔ لغو ہر غیر مفید امر کو کہتے ہیں اور جو اپنا تزکیہ کرنے والے ہیں اور جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت رکھنے والے ہیں اور جو اپنی امانتوں اور عہدوں کا خیال رکھنے والے ہیں اور جو اپنی نمازوں کی پابندی کرتے ہیں۔ اتنی باتوں کا اہتمام جو لوگ کرتے ہیں ان کو خشوع نصیب ہوتا ہے اور یہی لوگ فلاح کے مستحق ہیں اور جنّت الفردوس کے وارث ہیں اور ہمیشہ اس میں رہیں گے۔ اور عروجاً ونزولاً دونوں طرح ان آیات میں ربط ہے یعنی جس طرح ان شرائط کی پابندی سے خشوع حاصل ہوتا ہے اسی طرح خشوع کے ساتھ نماز پڑھنے سے ایسے انوار پھیل جاتے ہیں جو تمام اعضاء کو لغو باتوں سے محفوظ رکھتے ہیں اور تزکیہ وحفاظتِ شرمگاہ وحفاظتِ امانات اور عہد اور پابندی نماز پر مستعد رکھتے ہیں اور یہ دور دورِ معیت کہلاتا ہے۔ یہ دور محال نہیں ہے۔

۹۵) **ارشاد فرمایا کہ** ہمیں اپنے پیر سے چند کلیات ایسے ملے ہیں جن سے اکثر مشکلات کے مواقع حل ہوجاتے ہیں: ایک تو یہ کہ خطرے میں کبھی مت جاؤ جہاں خطرے کا احتمال ہو اگرچہ سلامتی سے گزر جانے کی بھی اُمید ہو لیکن عقلاً احتیاط کا مقتضا یہی ہے کہ ہرگز اس معرضِ خطر میں قدم نہ رکھے اور سلامتی کا راستہ اختیار کرلیا جائے، الحمدللہ! کہ میں اس پر ہمیشہ عمل کرتا ہوں، پیر کی بات یاد پڑجاتی ہے کہ خطرے میں نہیں پڑنا چاہیے۔ دوسرے یہ کہ حضرت فرمایا کرتے تھے کہ بھائی کرنے کے کام تو کرنے ہی سے ہوتے ہیں۔ اللہ کا شکر ہے کہ جب کبھی طبیعت میں کچھ اضمحلال محسوس ہوا تو پیر کے اس جملہ سے نفس میں قوت اور ہمت پیدا ہوجاتی ہے اور یہی جملہ کہہ کر کام میں لگ جاتا ہوں اور حضرت فرمایا کرتے تھے کہ جب کسی غیر مذہب سے گفتگو کرنا پڑے تو فروعات میں کبھی نہ بحث کرے اُصولِ اسلام پر بحث کرنا چاہیے۔ جب اُصول تسلیم کرلے گا تو

مجبوراً فروع کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ کسی کی جوتی کی حفاظت میں اپنا دوشالہ نہ گنوانا چاہیے یعنی کسی کی دینی اصلاح کے اس طرح درپے نہ ہونا چاہیے کہ اپنا ہی دین غائب ہوجائے جیسا کہ بعض لوگ اپنی ترقی باطنی اور اپنے معمولات سے بے فکر ہوکر ہر وقت دوسروں کی اصلاح کی فکر میں رہتے ہیں ایسے لوگوں سے نہ تو اصلاح ہی کسی کی ہوتی ہے اور نہ ان کا دین محفوظ رہتا ہے۔ جس کنویں سے ہر وقت پانی نکالا جائے اور کچھ وقت پانی سوتے سے جمع ہونے کا موقع نہ ملے تو ایسے کنویں سے بالآخر بجائے پانی کے کیچڑ آنے لگتا ہے یہی حال ان مبلغین کا ہے جو رات دن دوسروں کے لیے تقریریں کرتے ہیں اور اپنے لیے معمولات نوافل وذکر کا کچھ اہتمام نہیں رکھتے ہیں۔ ایسی تبلیغ میں برکت نہیں ہوتی۔ کیوں کہ الفاظ بے نور کے نکلیں گے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ جو لوگ منصبِ ارشاد پر دین کی خدمت کر رہے ہیں ان کو بھی چاہیے کہ رات دن میں اپنے لیے کوئی وقت خلوت کا نکال کر اللہ اللہ کریں۔ اس خلوت کی مدت میں انوارِ ذکر قلب میں جمع ہوجاتے ہیں اور وہی جلوت میں ارشاداتِ نورانیہ بن کر نفع رسانی کرتے ہیں، اور جو لوگ خلوت مع اللہ کا اہتمام اور التزامِ ذکر نہیں کرتے ہیں تو مسلسل نفع رسانی سے ان کی مثال اسی کنویں کے مانند ہوجاتی ہے جس کو مسلسل استعمال کرنے سے کیچڑ آنے لگتا ہے۔ حضرت عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

مدتے در مثنوی تاخیر شد
مہلتے بالیست تاخون شیر شد

ایک مدت مثنوی میں تاخیر ہوئی تو فرمایا اس میں حکمت یہ تھی کہ مسلسل کلام سے انوار اور فیوضِ غیبیہ کا سلسلہ قائم نہ رہا اور اپنی طرف سے جو کلام ہوتا اس میں ظلمت ہوتی جس طرح دودھ اگر بچہ مسلسل پیتا رہے تو بجائے دودھ کے خون نکلنے لگے ماں کو کچھ وقفہ اور مہلت چاہیے کہ دوسرا خون دودھ بن کر پستان میں جمع ہوجائے۔ دین کا کام ان ہی حضرات سے ہوا ہے جو خود بھی اعمال پر اہتمام سے پابند تھے اور اپنی ترقی کی فکر سے غافل نہ ہوتے تھے۔ متقی کا سکوت بھی ہادی ہوتا ہے، خشیتِ الٰہیہ جو اس کے قلب میں ہے اس کا پرتو دوسروں کے دلوں پر پڑتا ہے۔ یہ بالکل خاموش ہے مگر ہدایت ہورہی ہے، ان کی صورت دیکھ کر اللہ یاد آجاتا ہے۔

درس شاں آشوب و چرخ و زلزلہ
نے زیادات است و باب و سلسلہ

اولیاء را در درون ہا نغمہ ہاست
طالباں راز اں حیات بے بہاست

خامش اندہ نعرۂ تکبیر از شاں
می رود تا عرش و تخت یار شاں

ایک ہدایت قولی ہوتی ہے اور ایک ہدایت عملی ہوتی ہے بعض وقت ہدایت عملی ہدایت قولی سے کہیں زیادہ مؤثر ثابت ہوتی ہے۔

۹۶) **ارشاد فرمایا کہ** جس کے سپرد وعظ اور اصلاح کی خدمت ہوتی ہے اس کا معاملہ بہت نازک ہوتا ہے ہر وقت لوگ تو اس کا ہاتھ پیر چومتے ہیں لیکن اس کے دل سے پوچھو کہ اس پر کیا گزرتی ہے۔ جو مقبول بندے ہیں وہ واہ واہ سے خوش نہیں ہوتے ان کو آہ آہ میں لطف ملتا ہے۔ میں سچ کہتا ہوں کہ میرے پاس جو لوگ دین کی باتیں سننے آتے ہیں ان کو میں اپنے سے افضل اور نیک سمجھتا ہوں کیوں کہ ان میں ریا کا احتمال نہیں ہے وہ گھر سے اچھی نیت سے آئے ہیں لیکن میں اپنے کو قطعاً گناہ گار سمجھتا ہوں۔ کیوں کہ سامعین تو خاموش رہتے ہیں اور ان کے کان اللہ و رسول کی باتیں سنتے رہتے ہیں لہٰذا ثواب ہی ثواب کا کام ان سے ہو رہا ہے اور میری زبان تو گویا ہوتی ہے میاں کی باتوں میں تو لذّت ان کی ہے اور زبان کی لذّت اپنی ہوتی ہے نفس ہمارے ساتھ ہے کیسے کیسے خطرات گزرتے ہیں وَاُحۡضِرَتِ الۡاَنۡفُسُ الشُّحَّ ؕ[۱۲۹] حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ خواہشاتِ نفسانیہ کا نفوس کے ساتھ اقتران ہے۔ یہ ترجمہ ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ بعض وقت مجھے بڑا خوف معلوم ہوتا ہے۔ سوچتا ہوں کہ وعظ وغیرہ کا کام بند کر دوں مجھے اپنے اخلاص پر اطمینان نہیں ہوتا ہے پھر سوچتا ہوں کہ ممکن ہے شیطان کا اس کے اندر کوئی فتنہ ہو تو اپنی کوتاہیوں کی معافی مانگ لیا کرو اور وعظ بھی نہ چھوڑو۔ میاں سے عرض کر لیا کرو۔

---

۱۲۹ النسآء:۱۲۸

وَ اعۡفُ عَنَّا ٝ وَ اغۡفِرۡ لَنَا ٝ وَ ارۡحَمۡنَا ٝ اَنۡتَ مَوۡلٰىنَا[۱۳۰] معاف فرمادیجیے۔ اور بخش دیجیے اور رحم فرمادیجیے کیوں کہ آپ ہی تو ہمارے مولیٰ ہیں۔ آپ کے سوا کون ہے ہمارا؟

کون ہے تیرے سوا مجھ بے نوا کے واسطے
ہے عبادت کا سہارا عابدوں کے واسطے
اور عصائے آہ مجھ بے دست و پا کے واسطے

۹۷) ارشاد فرمایا کہ استقامت کے معنیٰ (۱) سدھائی طلب کرنا (۲) اور مضبوط ہونا ہے۔

۹۸) ارشاد فرمایا کہ قرآن کو حق تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے اس میں غفلت کا کہیں پتا نہیں ہے، جب غفلت کا گزر نہیں ہے تو نہ باہر کی چیز اندر آسکتی ہے نہ اندر کی چیز باہر جاسکتی ہے۔ پھر آگے وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوۡنَ[۱۳۱] فرماکر اور بھی حصار فرمادیا کہ ہم حفاظت کرنے والے ہیں قرآن کی، میری حفاظت کا قلعہ ایسا قلعہ ہے کہ یہ حصن حصین ہے قرآن کے ظاہر وباطن یعنی نظم اور معنیٰ دونوں کی حفاظت ہے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف سے پھر تعلیمِ کتاب وحکمت اور تزکیہ جو قرآن میں مذکور ہے وہ تعلیمات اور حکمت بھی قرآن کی حفاظت کے اندر داخل ہیں۔ حدیث کا منکر اس تقریر سے قرآن کا منکر ثابت ہوتا ہے، یہ اہلِ قرآن نہیں ہیں۔ اصلی اہلِ قرآن اہل اللہ ہیں۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: اہل القرآن اہل اللہ کے کیا معنیٰ ہیں؟ یعنی اللہ کے گھر والے یہ درباری لوگ ہیں۔

۹۹) ارشاد فرمایا کہ حضرت شاہ فضل رحمٰن صاحب گنج مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات میں ہے کہ جو شخص دُعا کرنے میں تمام مومنین اور مومنات کو بھی شامل کرلیتا ہے اس کی دُعا قبول ہوجاتی ہے، الحمدللہ! میرا معمول ہے کہ میں اپنے لیے جب دُعا کرتا ہوں تو جمیع مسلمانوں کے لیے بھی دُعا کرتا ہوں۔

۱۳۰؎ البقرۃ:۲۸۶

۱۳۱؎ الحجر:۹

۱۰۰) ارشاد فرمایا کہ اولیاء اللہ کے لیے آیتِ کریمہ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا[۱۳۲] میں جس بشارت کے عطا فرمانے کا حق تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے اس کی تفسیر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمائی ہے کہ وہ مقبول بندہ یا تو خود خواب میں اپنے لیے کوئی بشارت دیکھے یا دوسرے بندے اس کے لیے کوئی بشارت خواب میں دیکھیں۔

۱۰۱) ارشاد فرمایا کہ مثنوی شریف کو بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ سے شروع کیا ہے اور مولانا نے حمد نہیں تحریر فرمائی تو اس پر اس حدیث سے اعتراض پڑتا ہے جس میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ ہر وہ اہم کام جس کو بدوں حمد شروع کیا جاوے پس وہ ابتر ہے۔ اس کا ایک جواب یہ ہے کہ شارحِ بخاری صاحبِ ''فتح الباری'' نے تحریر کیا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے والا نامے بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ سے شروع ہوتے تھے اور اس میں حمد نہیں ہوتی تھی، جس سے احتمالِ نسخ ثابت ہوگیا، دوسرے یہ کہ لم یکتب نہیں فرمایا لم یبدء فرمایا ہے۔ لکھنا ضروری نہیں ہے حمد پڑھ کر شروع کرنا بھی کافی ہے۔

۱۰۲) ارشاد فرمایا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے موٹے عالم کے متعلق جو فرمایا ہے کہ حق تعالیٰ کے نزدیک موٹا عالم مبغوض ہوتا ہے تو اس کی تشریح حدیثوں میں یہ ہے کہ ایسے عالم سے مراد وہ عالم ہے جو حرام اور حلال کی تمیز نہ کرتا ہو۔

۱۰۳) ارشاد فرمایا کہ ظاہری آنکھوں کی بینائی کا نام بصارت ہے اور دل کی جو باطنی بینائی ہوتی ہے اس کا نام بصیرت ہے، حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ[۱۳۳] ارشاد فرماتے ہیں کہ ان کی ظاہری آنکھیں اندھی نہیں ہیں لیکن ان کے سینوں میں جو دل ہیں وہ اندھے ہوگئے ہیں۔

۱۰۴) ارشاد فرمایا کہ شیخ کی محبت اس راہ میں تمام مقامات کی مفتاح (چابی) ہے۔ کیوں کہ محبت سے اتباع آسان ہو جاتی ہے اور اتباع سے دین آجاتا ہے۔

۱۰۵) ارشاد فرمایا کہ جوانی میں خوف کو اُمید پر غالب رکھنا چاہیے۔

۱۳۲؎ یونس: ۶۴

۱۳۳؎ الحج: ۴۶

۱۰۶) **ارشاد فرمایا کہ** سلسلہ اویسیہ یعنی حضرت اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سلسلہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک درود شریف کے ذریعہ پہنچتا ہے اس کو حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے۔ کثرتِ درود شریف کی برکت سے یہ دروازہ کھل جاتا ہے کہ بیٹھا یہاں ہے اور دربارِ رسالت میں حاضر ہے۔ درود شریف تمام دُعاؤں کا سر تاج ہے۔ جب تک درود شریف اوّل وآخر نہ ملایا جائے اس وقت تک اللہ اور بندے کے درمیان دُعا معلق رہتی ہے یہ دُعا معلق کیوں رہتی ہے؟ اس واسطے کہ مہر نہیں لگی ہے۔ کاہے کی مہر درکار ہے؟ درود شریف کی۔ بدوں درود شریف کے دُعا ضایع نہیں ہوتی ہے، رہتی تو ہے محفوظ لیکن مقبول نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ درود شریف کا انتظار فرماتے ہیں۔

۱۰۷) **ارشاد فرمایا کہ** جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو روتا ہے اس کا یہی رونا اس کی زندگی کی علامت ہوتی ہے گھر والے بے چینی سے منتظر رہتے ہیں کہ کب بچے کی آواز رونے کی سنائی دے۔ اس میں بڑی عبرت ہے، پیدایش ہی کے وقت بتادیا کہ رونے ہی میں زندگی کی خبر مضمر ہے، رونے ہی سے کام چلے گا۔ دو قطرے ایسے ہیں جن کی دنیا میں کوئی قیمت ادا نہیں کر سکتا ہے: ایک قطرہ وہ جو اللہ کی خشیت اور خوف سے تنہائی میں آنکھوں سے ٹپک پڑے، دوسرا قطرہ وہ جو جہاد کے وقت خون کا زمین پر گرے۔ اسی کو حضرت عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

کہ برابر می کند شاہِ مجید
اشک رادر وزن باخونِ شہید

مولانا فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ اپنی محبت اور خوف سے گرے ہوئے قطرۂ اشک کو وزن میں خونِ شہید اس کے برابر رکھتے ہیں۔ اللہ اکبر! کیا قدردانی میاں نے فرمائی ہے۔

۱۰۸) **ارشاد فرمایا کہ** حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو شخص کسی منکر کو دیکھے تو اگر قدرت ہو تو ہاتھ سے مٹادے ورنہ زبان ہی سے اس کی تردید بیان کردے اور اگر یہ بھی قدرت نہ ہو تو قلب سے ناگوار سمجھے وَذٰلِكَ اَضْعَفُ الْاِيْمَانِ[۱۳۴] فرمایا ہے یعنی یہ درجہ نہایت ضعیف ایمان کا ہے۔ اب کوئی اس پر اشکال کر سکتا ہے کہ قلب سے ناگواری کا

---

۱۳۴ صحیح مسلم: ۵۰/۱، باب بیان کون النھی عن المنکر من الایمان، ایچ ایم سعید

دوسروں کو کیسے علم ہو سکتا ہے؟ تو اس اشکال کا حل دوسری حدیث میں موجود ہے۔ حدیث میں ہے کہ ایک بستی پر عذاب کا حکم ہوا فرشتوں نے عرض کیا کہ باری تعالیٰ ایک بندہ تو اس میں بڑا عبادت گزار ہے۔ حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ لیکن میری نافرمانیوں کو دیکھ کر اس کا چہرہ متغیر نہ ہوتا تھا وَلَمْ يَتَمَعَّرْ وَجْهُهٗ اس حدیث سے حدیث مذکور کا اشکال حل ہو گیا یعنی قلب کی ناگواری کا پتا چہرے پر تغیر کے آثار سے ظاہر ہو جاوے چہرہ بتادے کہ اس فعل سے اس شخص کو سخت ناگواری ہے۔

۱۰۹) **ارشاد فرمایا کہ** ناف ٹلنے کا یہ عمل نہایت مجرب ہے سورۂ **الم ترکیف** ۱۰ بار اوّل آخر تین تین بار درود شریف کے ساتھ پڑھ کر پہلے ناف پر دم کریں پھر ہاتھ پر دم کر کے تمام بدن پر مل لیں۔

ایک شخص نے دریافت کیا کہ درود شریف میں زیادہ ثواب ہے یا استغفار میں؟ اور پہلے استغفار پڑھیں یا پہلے درود شریف پڑھیں؟ تو ارشاد فرمایا کہ حضرت مولانا محمود الحسن شیخ الہند دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ کپڑوں کو پہلے گندگی سے صاف کرتے ہیں پھر عطر لگایا کرتے ہیں، پہلے استغفار سے دل صاف کرو پھر درود شریف پڑھو۔

ایک صاحب نے دریافت کیا کہ حضرت اَسْتَغْفِرُ اللهَ رَبِّيْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَيْهِ اور اَسْتَغْفِرُ اللهَ الَّذِيْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ وَاَتُوْبُ اِلَيْهِ میں سے کس میں زیادہ ثواب ہے؟ ارشاد فرمایا کہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہ ہے کہ استغفارِ ثانی میں زیادہ فضیلت ہے۔ کیوں کہ اس میں کلمہ بھی موجود ہے یعنی لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اس لیے اس میں فضیلت استغفار اور کلمہ دونوں جمع ہیں۔

۱۱۰) **ارشاد فرمایا کہ** وَاعْفُ عَنَّا ۚ وَاغْفِرْ لَنَا ۚ وَارْحَمْنَا ۚ کے بعد اَنْتَ مَوْلٰنَا [۱۳۵] فرما کر اپنے بندوں کو عجیب نعمت کی خبر دی ہے۔ مقبول بندہ عرض کر رہا ہے کہ اے ہمارے رب! ہمارے گناہوں کو صاف فرما دیجیے عَفْوٌ کے معنٰی مَحْوٌ کے ہیں یعنی بالکل مٹا دیجیے وَاغْفِرْ لَنَا [۱۳۶] اور ہمارے گناہوں کو بخش دیجیے اور رحم فرمائیے

۱۳۵؎ جامع عرض کرتا ہے کہ اس وقت حضرت والا دامت برکاتہم پر عجیب حالت طاری تھی اور آنکھوں سے اشک رواں تھے۔

۱۳۶؎ البقرۃ:۲۸۶

ہمارے حال پر، یہاں تک تو نیاز کا تعلق تھا، لیکن اس نیاز سے جب فنائیت کاملہ نصیب ہوگئی تو اب میاں اپنی رحمت سے اپنے اس بندے کے منہ سے ناز کی بات سننا چاہتے ہیں ؎

چوں طمع خواہد زمن سلطان دیں
خاک بر فرق قناعت بعد ازیں

جب وہ سلطان دیں مجھ سے طمع چاہتا ہے تو اس کے بعد پھر قناعت پر خاک پڑے۔ اب میاں سوال فرماتے ہیں کہ تیرا حق مجھ پر کیا ہے تو عفو اور رحمت اور مغفرت کو مجھ سے کیوں طلب کر رہا ہے ؟ میاں اب خود کچھ کہلوانا چاہتے ہیں اور جو کہلوانا چاہتا ہیں وہ خود بتارہے ہیں اَنْتَ مَوْلٰنَا بندہ اس سوال کا جواب دیتا ہے کہ میاں! آپ حق پوچھ رہے ہیں اَنْتَ مَوْلٰنَا کیا آپ ہمارے مولیٰ نہیں ہیں ؟

کہاں جائے بندہ گناہ گار تیرا

اس اَنْتَ مَوْلٰنَا کا لطف نہ پوچھو۔ بس یہی کہتا ہوا جنّت میں چلا جائے اَنْتَ مَوْلٰنَا کی رٹ لگی رہے، اس اَنْتَ مَوْلٰنَا میں کیا نیاز وناز کو جمع فرمادیا ہے۔ یہ کہتا ہے کہ کیا آپ ہمارے مولیٰ نہیں ہیں؟ آپ کے سوا ہمارا ہے کون ؟

۱۱۱) **ارشاد فرمایا کہ** حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بار اپنے ایک خاص محب سے فرمایا کہ جب نماز پڑھا کرو تو بعد نماز یوں دُعا کیا کرو: اے اللہ! میری یہ نماز تو آپ کی شان کے مطابق ادا نہیں ہوئی مگر آپ اس کی قبولیت اپنی شان کے مطابق فرمادیجیے۔ سبحان اللہ! عجیب مضمون ہے۔ اللہ والوں کے الفاظ اور مضمون الہامی اور درباری ہوتے ہیں۔ یہ مضمونِ دُعا ہر نیک عمل کے ساتھ چسپاں ہو سکتا ہے۔

❊ ❊ ❊ ❊ ❊ ❊ ❊ ❊ ❊

شیخ المشائخ حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے اجل خلیفہ اور عارف باللہ حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مرشدِ اوّل تھے۔ اس کے علاوہ وقت کے بڑے بڑے علماء کرام اور مشائخ عظام آپ رحمہ اللہ کے سامنے زانوئے ادب تہہ کرتے تھے۔ حضرت پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے عشق سے جلا بھنا دل، اپنی محبت میں اشک برساتی آنکھیں اور سوزِ دل کی ترجمان زبان عطا فرمائی تھی۔ آپ کی راتوں کی عبادات، آہ و نالے اور اشکباریاں دن میں طالبانِ حق کی روحوں کو سیراب کرتی تھیں۔

آپ کے محبوب ترین مرید حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب آپ کے نعرۂ مستانہ کے ایسے اسیر ہوئے کہ ساری زندگی آپ کے دامن سے لگے لپٹے رہے اور وہ فیض حاصل کیا جس سے ایک زمانہ مستفید ہوا۔ زیرِ نظر کتاب ''ملفوظاتِ حضرت پھولپوری'' حضرت پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ کے اُن ملفوظات کا مجموعہ ہے جسے وقتاً فوقتاً حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحب قلم بند کرتے رہے۔ حضرت پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ کے یہ ملفوظات آپ کے پرسوز الفاظ کے حامل ہیں جو دلوں میں اللہ کی محبت کی آگ لگا دیتے ہیں۔

کُتب خانہ مَظہری

گلشن اقبال ۲ کراچی ۴۷ پوسٹ کوڈ ۷۵۳۰۰، فون: ۳۴۹۹۲۱۷۶

AM007